

آگ میں پھول کھلے

آگ میں پھول کھلے تو میری آس بندھی

دل کے زخموں سے بھی، خوشبو اٹھے گی

یہ خوشبو جب پھیلے گی، ایمانوں میں

پیار کے چشمے پھوٹیں گے، انسانوں میں

ہر انسان، جب ہر انسان کو بھائے گا

روئے زمیں، فردوس بریں کہلائے گا

شاہین بھٹی

جملہ حقوق بحق خلق خدا محفوظ ہیں

آگ میں پھول کھلے	نام کتاب
شاہین بھٹی	مؤلف
قاسم برادرز پرٹرز، لاہور۔	پرٹرز
کاشف رحمن خان	ناپیکل
2007ء	اشاعت اول
1000	تعداد اشاعت
احسن بک ہاؤس اردو بازار لاہور۔	پبلشرز
195 روپے	قیمت
10 امریکی ڈالر	بیرون ملک

شاہ کسٹ [وختاب بہکڈ لوگوں کو جنوٹا۔ سلطان ہر اورنگزہر است۔ خان یک باؤس مہرے۔ مجید سنز فیصل آباد

ڈیئر کھیں ڈیل لال ماون، لاہور فیس بک پر لک روڈ لال ماون لاہور

[illegible]

انتساب

اُن ہواؤں کے نام، جو اس دھرتی کو
رَشکِ فردوس بنانے میں حائل
چٹانوں سے سر پٹخ پٹخ کر بھی امید
کا دامن تھامے پیہم رقصاں ہیں۔

قرینہ

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
42	چہ و ہا	7	دعائے شعر
43	سہارے	11	شاہین بھٹی کی شاعری (کرامت بخاری)
44	پارک	16	ترسمات سے
45	مرزا آصف بیگ کے نام	18	سب تیرا ہے
46	امید	20	کہل مرے فن کی ماسائی
47	سائنس دان	22	ماں
48	کھیل	23	والد کے نام
49	استاد	25	سید مراد اختر عیلائی کے حضور
50	زندگی	26	وحید الحسن ہاشمی
52	آزادی	27	سردار محمد اقبال موکل
53	شاعری	29	علامہ اقبالؒ
54	عورت	31	محمد علی جناح
56	فنکار	32	شاگر دوں کے نام
57	جوئیں	34	اچالا
58	شاہین	35	ضرورتِ رہنما
59	خواہش	37	آئینہ بلی ہمسر
60	بائیں	40	تنہائی
63	اسک	41	فیض کی قبر پر

101	اگر تائیر آ جائے مرے دل کی دعاؤں میں	64	میں ترے آس پاس رہتا ہوں (غزلیات)
102	کبھی کبھی مسکرا دیا کر	65	ہر وفا کی قسم
103	یار چہ یاد و یاد نہ پنا ہے کچھ بھی کوئی کہے	66	ساتھ تیرے اگر بسر ہوتی
104	ہم یار کے چہا سے ہیں	68	یہ جوان کی جفاؤں کی تو ہیں ہے
105	آئیں بیمار ہیں جائیں بیمار ہیں	70	ایسے صدمے کہاں انسان کے اٹھانے والے
106	آج بھی دل میں مہکتی ہیں پرانی شا میں	72	ہو جو اظہار کی محتاج محبت کیا ہے
108	محبت میں زمانے کا کوئی کھٹکا نہیں ہوتا	77	دل پہ کیسا غبار رہتا ہے
110	یار کرتے ہو ساتھ ڈرتے ہو	79	دلہیز اور محروم محبت کی نشانی ہے
111	خدا کبھی جو قیامت کا سوچتا ہوگا	80	ہم حسین گلیں ترکو بھی تم سانہیں کہتے
113	دیوانگی یہ میری تھے یوں نہ نگہ ہوتا	82	انکار کر گئے ہیں کہ اقرار کر گئے
115	آنکھیں حسین گلاب کی آنکھوں میں ڈال کے	84	جس کو آنا نہیں طوفاں سے دو بدو ہوتا
117	وقت ہم یوں گزرا لیتے ہیں	86	صن کا پھول جب نکھرتا ہے
119	دل کی حالت نہ پوچھیے جب سے	87	تم دروچہ ائی سے کبھی چور نہ ہوتا
121	کہاں سب کا مقدر ہیں وصال یار کی رائیں	89	ایک مدت سے مسکرا لائیں
123	صن ہوتا نہیں چھپانے کو	91	اگر ہم ساتھ دوروں کے نئے دھارے میں چلتے ہیں
125	تم وہاں ہم یہاں جو بچھتا نہیں	93	جا بجا ہے رنگ و شکست حسن کا فر کی طرح
127	تنہائیوں میں اپنی مراہی تصور ہے	95	بے جوابی میں بھی انداز حیا رکھتے ہیں
128	تیری آنکھوں سے جھلکتے ہیں فسانے کیا کیا	97	جوابات مزین ہو حسیں طر زبیاں سے
130	جب شرارے تری ادا کے گرے	99	وہ تھکوا غم بھی مجھے پھول ساگا
132	ہم کو فیروں پہ اعتراض نہیں	100	مسکرا کر جولا ہم سے وہی یار لگا

154	بہت میں ہو کم طرفی کہیں جاؤ نہیں جاتی	134	خواب اکثر بکھر ہی جاتے ہیں
156	ایک رہے نہیں حالات کبھی	137	عنوان بدل گئے ہیں فسانے بدل گئے
157	اپنے آپ میں گم ہیں، یاسیلانی ہیں	139	جیت ملے یا ہار خوشی سے گلے لگا ہے
158	مزاج کا تب لوح و قلم کیا کیا دکھاتا ہے	141	روشنی بانٹتا سراج رہا
159	رہے تاقیو تمنا پر تو رنجوری نہیں ہوتی	142	کسی کی کسی سے نظر ل رہی ہے
161	انداز کا اعجاز تری بات سجادے	143	یوں مچلتے ہوئے جذیوں کو سدھلا جائے
163	انسا لوں کے جنگل میں تنہائی ہے	145	ہم بتا پائے نہ خود آپ ہی پہچان سکے
165	کسی کے کما زانٹھا بھی اک عبادت ہے	146	جہاں میں جی نہیں لگتا کہولت ہے جوانی میں
167	دل کو اکثر پیام آتا ہے	148	دل مضطرب نہ ہو تو منانا نہیں کوئی نہیں
169	متفرقات	150	ہجوم غم سے گھبرا کر ذرا ہر جو ہم نکلے
176	جیواور چینی دو	151	ہر کسی سے خفا خفا رہنا
212	ندائے دل	153	صحرا کی وسعتوں میں اک سائبان نہیں ہے
213	خاک وطن کے مام		

”دعائے شعر“

1972ء میں جب میں نے پانچویں کا امتحان پاس کیا تو انہی دنوں والد صاحب حج سے واپس آئے۔ وہاں کے رواج کے مطابق آس پڑوس کے دیہاتوں سے بھی لوگ ملنے آئے۔ نمبر دار چکمبر 19/75 جہانگیر گجر صاحب نے سلام دعا کے بعد اُن سے پوچھا: ”آپ کا بڑا بیٹا کہاں ہے۔“ میں تھوڑی دور ہی کھڑا تھا حاضر ہوا انہوں نے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ”حاجی صاحب آپ کے لیے ایک اور بھی بہت بڑی مبارک باد ہے۔ یہ آپ کے بیٹے نے بہت بڑا کمال کیا ہے۔ تمام یونین کونسل کے سکولوں کا سنٹرل امتحان ہوا تھا۔ جس میں سے اس نے پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔“ مجھے بھی امید تھی کہ شاباش نما کچھ الفاظ کہیں گے۔ انہوں نے میری طرف توجہ سے دیکھا۔ پھر فرمایا ”میاں جی تم شاعری واعری چھوڑو اور پڑھائی پر توجہ دو جو تعلیم مکمل کر لو گے تو شاعری خود بخود ہونے لگے گی۔“ اُس وقت اُن کے ذہن میں غالباً وہ خط ہوگا، جو میں نے انہیں نظم کی صورت میں لکھا تھا۔ ”شاعری خود بخود ہونے والی بات“ ذہن میں اپنے پس منظر سمیت گھومتی رہی خود اُن کا پنجابی شعری مجموعہ شائع ہو چکا تھا، پھر مجھے کیوں روکا؟ اُسی سال اُن کی وفات، بعد ازاں میرا چھٹی جماعت میں سکول چھوڑنا، ایسے واقعات تھے جنہوں نے اس جملے کی بازگشت بھی مجھ سے چھین لی۔ وہ تو بھلا ہوتا بلی صد اختر ام استاد محمد یوسف صاحب کا کہ انہوں نے اگلے سال بڑی کوششوں سے مجھے سکول بھجوایا۔ ماں کو تامل کیا کہ یہ سکول جانے سے پہلے اور وہاں سے واپسی پر زمین اور ڈھور ڈنگروں کا خیال کیا کرے گا۔ نو دس میل کے فاصلے پر سکول جانے آنے اور گھر کے کام کاج نے اس جملے کی بازگشت پر سیروں گرد چڑھا دی۔ پہلے تو سائیکلوں پر جاتے تھے، بعد میں حکومت نے سٹوڈنٹ کا کرایہ 10 پیسے کیا تو کچھ سکھ کا سانس لیا اور بس پر جانے لگے۔ المختصر ملازمت، کھیل اور پڑھائی کسی کرشماتی قوت کے زیر اثر بطریق احسن چلتے رہے، اسلامیہ کالج سول لائنز میں والی بال ٹیم کے کپتان کی حیثیت

سے مفت کمرہ ملا ہوا تھا۔ وہاں ایک پمفلٹ پر نظر پڑی۔ امجد اسلام امجد صاحب کی زیر صدارت انعامی مقابلہ ہو رہا تھا۔ اس میں طلبہ کو طرح مصرع اور نظم کا عنوان دیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا اور ایک کھلاڑی کی حیثیت سے اسے فضول سا کام سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ شام کو کھیل کے بعد کچھ دوستوں نے بڑے حسرت بھرے لہجے میں وہاں کے انعامات وغیرہ کا ذکر کیا۔ اُس وقت میرے ذہن میں والد صاحب کے اُس جملے نے دستک دی۔ میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا ”لکھ تو میں دیتا ہوں لیکن انڈے یا ٹماٹر وغیرہ پڑ جائیں تو مجھے الزام مت دینا“۔ کھلاڑی بے تحجک تو ہوتے ہی ہیں انہوں نے کہا جو ہو گا۔ دیکھا جائے گا غزل خواں اور نظم خواں حضرات کی حیرتناک حد تک حوصلہ افزائی ہوئی ٹرافیاں ملیں۔ اس کے بعد تو جب کسی مقابلے کا پتہ چلتا دو دو تین تین نظمیں غزلیں خود بخود ہو جاتیں۔ بعد ازیں پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیسپس میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں سے کبھی کبھار حلقہ ارباب ذوق کے اجلاسوں میں جانے سے ورثے میں ملی یہ چنگاری اندر ہی اندر بھڑکتی رہی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بطور لیکچرر ملازمت کی تو خود کو میر عصر خیال کرتے ہوئے انیس سو نوے اکیانوے میں ایک شعری مجموعہ ترتیب دے ڈالا۔ وہ تو بھلا ہو وحید الحسن ہاشمی صاحب کا، جنہوں نے چند اشعار کے آپریشن سے میری آنکھیں کھول دیں۔ عشق مجازی کے عملی تجربے سے عاری ہونے کے باعث انہوں نے غزل سے صاف منع فرمادیا تاہم نعتیہ اشعار کی اس حد تک حوصلہ افزائی فرمائی کہ چند ماہ کی محویت سے نوے کے قریب نعتیں ایک ایک نشست میں ایک ایک نعت اُن سے پاس کرائی۔ ان میں سے حفیظ تائب اور احمد ندیم تاقی صاحب کے مشورے سے شعری مجموعہ ”روح کی خوشبو“ کے نام سے ترتیب دیا۔ گرد و پیش کے شعری ذوق کی سردہری دیکھی تو مدرمی نوٹس اور خاص طور پر مضامین میں موقع محل کی مناسبت سے اپنے اشعار سمو کر تمکین فن کا سامان کرنے لگا۔ نو عمری کی مشقوں نے ڈھیٹ پن کی حد تک سخت جان بنادیا تھا۔ جن چوٹوں اور زخموں سے لوگ مر جایا کرتے ہیں انہیں سینے پر

سجائے فارغ وقت میں اُن سے کھیلنا میرا مشغلہ ہے۔ جب کسی جذبے کا فور ہوتا ہے تو مناسب ہیئت میں نظم کر لیتا ہوں ٹی وی کے ایک پروڈیوسر نے ایک دن آئیڈیا دیا کہ حکمرانوں اور پھرے ہوئے لوگوں کے درمیان کوئی مکالمہ ہونا چاہیے۔ یہ مکالمہ اتنا پھیلا کہ تقریباً سو بند تیار ہو گئے۔ اس میں مجاہد اپنی بھڑاس نکالتا جبکہ حاکم اپنے جواب سے اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خاکسار نے اس میں غیر جانبدار رہتے ہوئے اصلاح احوال کی کوشش کی ہے۔ کئی دوستوں نے خاصا پسند کیا لیکن اسے چھوٹا ایک مسئلہ بن گیا۔ اسی مجبوری نے شعری مجموعے کا رسک لینے پر مجبور کر دیا۔ اوپر سے کچھ کلام ریڈیو اور ٹی وی پر نشر ہوا جو لوگوں نے پسند کیا تو وہاں سے کچھ مزید غزلیات بھجوانے کا حکم ملا۔ جس معاشرے میں میاں بیوی جوانی میں والدین اور بڑھاپے میں اولاد سے شرماتے ہوئے ایک چارپائی پر نہیں بیٹھتے ابھی تک ایسی خواتین مل جاتی ہیں جو اپنے خاوند کا نام ہونٹوں تک لائیں تو شرم سے بے ہوش ہو جاتی ہیں۔ ایسے معاشرے کے پروردہ شرمیلے سے فقیر سے عشق مجازی کی غزلیات کی توقع عجیب سی بات تھی لیکن کچھ دوستوں نے قائل کیا کہ:

نوائے شعرو ترنم سے نوع انساں کے

دلوں میں پیار جگانا بھی اک عبادت ہے

اس ڈیم کے بند ٹوٹتے ہی درجنوں غزلیات کا سیلاب امنڈ پڑا۔ یوں کانفرنسوں میں گلے سڑتے اس ذخیرے میں سے چند نظموں، غزلوں اور قطعات کے انتخاب سے ”آگ میں پھول کھلے“ ترتیب دیا۔ غالباً والد صاحب نے میرا خط پڑھ کر مدینہ منورہ میں قبولیت کی کسی گھڑی میں دعا کی ہوگی اسی لیے اتنے وثوق سے کہا کہ تعلیم مکمل ہونے پر خود بخود شاعری ہوتی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں لکھنا چاہوں یا نہ چاہوں شاعری زبردستی خود کو لکھوائے جاتی ہے۔

اکثر بے لوث دوستوں کی رائے ہے کہ اسے عوام میں بہت مقبول ہونا چاہیے۔ لیکن بہت سے کام جو ہونے ہوتے ہیں نہیں ہوتے، اور جو نہیں ہونے ہوتے، وہ ہو

جاتے ہیں۔ کیونکہ:

شہرت کے درخشاں صحرا میں ہر مجنوں آ کر نازاں ہے
اک چوری کھا کر نازاں ہے، اک زخم سجا کر نازاں ہے
گر شعر و سخن ہے عشق ترا ہر لفظ لہو میں دھو کر لا
اعزازِ بقاء، ہے اُس کی جزا، جو خود کو مٹا کر نازاں ہے

اس سفر میں معاونت پر کاشف رحمان صاحب، ارشد شاہین صاحب، محمد فاروق صاحب، محمد اشفاق دھارویالی، مستنصر حسین نارڑ صاحب، پروین نکل صاحب، جمیل ملک صاحب، قرۃ العین صاحب، زیب النساء صاحب، عرفان جمیل صاحب، کنور امتیاز احمد صاحب، ظہیر الدین بابر صاحب، سکندر علی شاہ صاحب، حافظ محمد صدیق فیضی صاحب، الفت عباس صاحب، ڈاکٹر اختر جعفری صاحب، ڈاکٹر رانا سعید صاحب، پروفیسر تنویر صادق صاحب، پروفیسر امتیاز صاحب، عفت علوی صاحب، شتار سید صاحب، شہوار حیدر صاحب، ڈاکٹر حسن فاروقی صاحب، ڈاکٹر شبیبہ الحسن ہاشمی صاحب، وحید الحسن ہاشمی صاحب، تاضی جاوید صاحب، ندافیش صاحب، انور قدوائی صاحب، فرخ بشیر صاحب، حفیظ طاہر صاحب، اعجاز توکل صاحب، حسین مجروح صاحب، یاسمین طاہر صاحب، نعیم طاہر صاحب، یوسف بیگ مرزا صاحب، منیزہ ہاشمی صاحب، ناصر زیدی صاحب، بیگم نفیسہ اخلاق دہلوی صاحبہ اور احمد ندیم تاقی صاحب کا سپاس گزرا اور آپ سے دعاؤں کا طلبگار ہوں۔

شاہین بھٹی

شاہین بھٹی کی شاعری

اردو ادب اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس کو جتنے بے لوث لکھاری، تخلیق کار اور فنکار میسر آئے ہیں اتنے شاید کسی اور زبان و ادب کو میسر نہیں آئے۔ اس زبان کی ترقی، ترویج اور ارتقاء میں ایسے ہی بے لوث مخلص، انتھک لکھاریوں کا عمل دخل ہے کہ یہ آج دنیا کی دوسری بڑی بولی جانے والی (Spoken) اور تیسری بڑی لکھی جانے والی یعنی (Written) زبان ہے۔

اگر دنیا کی آبادی ساڑھے چھ ارب فرض کر لی جائے تو ڈھائی ارب سے زیادہ لوگ اردو پڑھتے، لکھتے، بولتے اور سمجھتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں سے بھی اختلاف ہے جو یہ لکھتے لکھاتے آئے ہیں کہ ادب جمود کا شکار ہے۔ ادب اگر زندگی ہے، اور زندگی سے عبارت ہے تو کیا زندگی کا سفر رک گیا ہے، زندگی اختتام پذیر ہو گئی ہے یا موت اور زندگی کی کشمکش میں زندگی ہار گئی ہے، نہیں اگر ایسا نہیں ہے اور موت کو مات دے کر زندگی رواں دواں، کہکشاں در کہکشاں، بیکراں، غزلخواں و رقصاں کا رواں درکار رواں ہے، تو پھر ادب جمود کا شکار کیونکر ہو سکتا ہے، یہ چند ابتدائی کلمات اس لئے لکھنے پڑے کہ شاہین بھٹی کی تازہ غزلیں اور نظمیں میرے سامنے ہیں اس کی نظمیں بھی دیکھ چکا ہوں، شاہین بھٹی کی غزلیں پڑھتے ہوئے مجھے اساتذہ میں مصحفی اور بعد میں عدم، حسرت، ناصر اور اختر شیرانی یاد آئے، روایت سے جڑی ہوئی رواں دواں، مرصع و قیع اور گہری معنویت سے بھرپور غزلیں، جنہیں پڑھتے تو تغزل کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔

غزل ہمارے ادب کا طرہ امتیاز ہے۔ تمام اصنافِ سخن کی سرخیل ہے، ادب کے ماتھے کا جھومر ہے۔ بہت کم لوگ اس کے اندر چھپے ہوئے غنائی نظام اور تانیے ردیف کی تام حجام کو سمجھ پاتے ہیں۔ الفاظ کا دروبست، تشبیہات، استعارات، تلمیحات، تخیلات، تصورات، اور افظیات سب کچھ کا خیال رکھنا، انہیں ہر موقع و محل استعمال میں لانا۔ ظاہراً

و باطناً حسن اظہار و افکار سے سرشار ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ شاہین بھٹی کے شعری مجموعے کا تعارف کروا رہا ہوں۔ شاہین بھٹی اتنی رواں، مرصع، جامع، وقیع اور مؤثر غزل لکھتے ہیں کہ مجھے پڑھتے ہوئے اساتذہ یاد آئے، اپنی بھولی بسری روایت کی حکایت اس کی نہایت اور ہدایت اور حضرت میر کی عصر حاضر سے شکایت سب کچھ یاد آیا کیوں نہ آتا، ان کے اشعار ہی اتنے بلیغ تھے کہ ابلاغ کی ترسیل میں کہیں پر بھی تشنگی محسوس نہیں ہوئی۔

میں ترے آس پاس رہتا ہوں
پھر بھی تصویرِ یاس رہتا ہوں
تو مجھے دیکھ کر اداس نہ ہو
میں تو یونہی اداس رہتا ہوں



بندگی نام نہیں جسم کے سجدوں کا اگر
دل انساں نہ جھکایا تو عبادت کیا ہے
حسن پر ظلم ہو اور عشق پہ لاچاری ہو
اہل دل ہے تو بتا اور قیامت کیا ہے



دل پہ کیسا غبار رہتا ہے
رات دن بے قرار رہتا ہے
چشمِ مے بار کے تصور سے
ہلکا ہلکا خماریا رہتا ہے



انکار کر گئے ہیں کہ اقرار کر گئے
وہ اشک جو رخسار کو گلزار کر گئے
حائل اگر ہوں سات سمندر بھی درمیاں
سمجھو تمہارے نام سے ہم پار کر گئے

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میر سے لے کر مصحفی تک اور مصحفی سے عدم و ناصر تک یہ سادگی، سہیل، متنوع سلاست، روانی، فکری گیرائی، مشاہدہ، گہرائی، سوچ اور انداز ہماری غزل کی روایت رہی ہے۔ اور اسی لہجے کی مٹھاس نے ہماری ساعتوں کو شرینی عطا کی ہے، دنیا کی کسی زبان کے ادب میں غزل جیسی شیریں صنفِ سخن موجود نہیں ہے، چونکہ اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا اس لئے مغرب کی دنیائے ادب اس سے آگاہ نہیں ہوئی ورنہ نظم اور تمام دیگر اصنافِ سخن اس کے آگے پانی بھرتی نظر آتی ہیں۔ مجھے از حد خوشی ہے کہ شاہین بھٹی غزل کی اس روایت کی نہ صرف پاسداری کرتے ہیں بلکہ اس میں کئی خوبصورت اور رس بھری غزلوں کے اضافہ کا باعث ہیں۔

تم درد جدائی سے کبھی چور نہ ہونا
میرے لئے پردیس میں رنجور نہ ہونا
چھن جائے نہ شیرینی احساس کی خوشبو
اس مٹی کی مہک سے تو کبھی دور نہ ہونا



ایک مدت سے مسکرایا نہیں
دل نے تازہ فریب کھلایا نہیں
سر پہ گرتے رہے پہاڑ مگر
میرے جذلوں نے سر جھکایا نہیں



کبھی کبھی مسکرا دیا کر، فضا میں مستی جگا دیا کر
کنول دلوں کے کھلا دیا کر، دلوں کے موسم سجا دیا کر
یہ مال و دولت جواں نظارے سدا رہیں گے کہاں تمہارے
کسی کو اپنا بنا لیا کر کسی پہ خود کو لٹا دیا کر



جب شرارے تری نوا کے گرے
اڑتے پنچھی بھی پھڑپھڑا کے گرے
دل میں ان کا خیال آتے ہی
غم کے آثار مسکرا کے گرے

اس طرح کی اور بہت سی غزلیں ان کے بے شمار اشعار جنہیں اگر دہرانے بیٹھوں
تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ ان کی ہر غزل دل کو چھو لینے والی، تاری کو مسحور کر لینے والی،
دل کو تسخیر کر دینے والی اور تنہائی کو دور کر دینے والی تخلیقی غزل ہے، شاہین بھٹی کا ادبی رہنما
اس کا دل ہے۔ وہ دلوں پر راج کرنا جانتا ہے اور اسے کائنات کا راز سمجھ آ گیا ہے۔

شاہین بھٹی اہل دل کے قبیلے سے ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ دل نے کبھی کسی کو
دھوکہ نہیں دیا۔ اگر تمام دنیا کو اکٹھا کرنے کے بارے میں سوچا جائے تو صرف اور صرف دل
کی سفارت ہی کام آسکتی ہے۔ دل اگر جڑ جائیں تو دنیا ایک ہو سکتی ہے اور دل اجڑ جائیں تو
دنیا کا شیرازہ بکھر سکتا ہے، تمام اولیاء، انبیاء، صوفیاء، فقراء، شعراء ادباء، فضلاء انسانی دلوں کو
ہی مسخر کرنے سے زندہ و پائندہ ہیں ورنہ عشق کے مرحلے طے نہ ہوتے، محبت نہ ہوتی،
سرشاری، خماری کی پاسداری کون کرتا، خوشی و غم کو کون سنبھالتا، وضع داری، رواداری،
انکساری، ملنساری اور یاری جیسے جذبوں کی آبیاری کون کرتا، اور عقل تو ہر جگہ عیاری، مکاری

ہماری، تمہاری اور اداکاری میں لگا رہتا ہے۔ لیجئے شاہین بھٹی کی ایک اور خوبصورت غزل کے تین شعر دیکھئے۔

خواب اکثر بکھر ہی جاتے ہیں
گھٹ کے شعلے بھی مر ہی جاتے ہیں
بہ نہ جانا جنوں کی لہروں میں
دل کے دریا اتر ہی جاتے ہیں
نشہ پگڑی کا حد سے بڑھنے پر
ساتھ پگڑی کے سر ہی جاتے ہیں

میری تمام ادب کے تارنیں و ناقدین سے گزارش ہے کہ اس شعری مجموعے کو پڑھیں، سمجھیں اور لطف اٹھائیں، خواہ مخواہ کی تنقید اور تنقیص نے ہمارے تنقیدی معیار کا اعتبار ختم کر دیا ہے۔ وہ لوگ بھی اس مجموعے کو ضرور دیکھیں جو کہہ رہے ہیں کہ ادب جمود کا شکار ہے۔ غزل اپنی موت آپ مر چکی ہے اور زبان مردہ ہو چکی ہے، ایسے بے معنی اور لالچیلے جملے ان کے لئے باعث شرمندگی ہوں گے، ادب زندہ ہے، غزل زندہ ہے اور زبان ترقی کر رہی ہے، نہ صرف ترقی کر رہی ہے بلکہ معنی کے نئے ابلاغ اور ابلاغ سے ترسیل کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ اب میں آخر میں خدائے نطق و لب سے دعا گو ہوں کہ اس نوجوان شاعر کے فکر و خیال میں مزید اضافہ و برکت عطا فرمائے اس کے قدم اور قلم میں روانی عطا فرمائے، اس کے نام، کام، مقام اور کلام میں تاثیر و ترقی عطا فرمائے۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ اردو ہماری جان پہچان، آں بان، شان، ایمان، ایقان اور زبان ہے، اس کی جتنی بھی خدمت کی جائے کم ہے، میں اسے عبادت کی طرح خیال کرتا ہوں اور عبادت میں حساب و کتاب نہیں ہو کرتا۔ خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

کرامت بخاری

۲۶۔ مئی ۲۰۰۷ء۔ لاہو

تعارف

محمد حسنین بھٹی

نام:

شاہین بھٹی

قلمی نام:

حاجی رائے نور احمد بھٹی (زمیندار، پنجابی صوفی شاعر)

ولدیت:

ٹھٹھہ بھٹیاں ڈاکخانہ سیدوالہ تحصیل ضلع ننکانہ صاحب۔

آبائی علاقہ:

ایم اے۔ ایل ایل بی (پنجاب یونیورسٹی)۔

تعلیم:

استاد (شعبہ اردو)

پیشہ:

نعت خوانی، موسیقی، اچھے شعرا کو پڑھنا، گیت نگاری، ڈرامہ نگاری، کالم

دیگر مشاغل:

نگاری، کمپزنگ اور باغبانی وغیرہ۔

کولڈ میڈلسٹ، پنجاب یونیورسٹی، پنجاب اولمپک، فلڈ لائٹ اوپن "نیشنل

سپورٹس:

چیمپئن" پنجاب یونیورسٹی لاکالچ ریکارڈ ہولڈر (اتھلیٹکس) اور نیشنل والی

بالر: ورزش کی حد تک لان ٹینس شوٹنگ بال، بیڈمنٹن اور تیراکی میں حصہ

لیا۔

ادارے کے کولیگز اور شاگردوں کے ساتھ ساتھ سنٹرل پارک ماڈل ٹاؤن

حلقہ احباب:

لاہور کے "ہیومن ڈیولپمنٹ فورم" جا کر دلی مسرت ہوتی ہے۔ وہاں صبح

کی سیر کے شوقین ریٹائرڈ ملازمین اور زیادہ تر ماڈل ٹاؤن، گردنواح کے

سلجھے ہوئے لوگ دوستانہ گپ شپ، علمی و ادبی محافل اور ہفتہ وار لکچر کا

اہتمام کرتے ہیں۔ پیار محبت اور انسان دوستی کی فضا اپنے اندر جادوئی

کشش رکھتی ہے۔ ادبی حلقوں میں محترمہ شہناز مزمل اور کرامت بخاری

صاحب کے زیر سرپرستی "ادب سرائے" کے مشاعرے آرام روزگار کے

طوفان میں بھی تخلیقی شمع بجھنے نہیں دیتے۔

- (1) شاہین بھٹی نے دل اور دل دھرتی کے سنگم پر کھڑے ہو کر شاعری کی ہے۔
(ڈاکٹر اجمل نیازی)
- (2) شاہین بھٹی کی شاعری بنیادی انسانی جذبات اور حسن فن کا دلنشین امتزاج ہے۔ (ڈاکٹر شبیہ الحسن)
- (3) شاہین بھٹی جدید لہجے کے منفرد شاعر ہیں (وحید الحسن ہاشمی)
- (4) شاہین بھٹی عوامی پسند کے ساتھ ساتھ ادبی معیارات کو بھی سامنے رکھتے ہیں (پروفیسر حفیظ تائب)
- (5) شاہین بھٹی کے مجموعہ میں جا بجا ایسے اشعار موجود ہیں جو کسی بھی شاعر کے لئے سامانِ فخر ہو سکتے ہیں (احمد ندیم قاسمی)
- (6) ترنم کی میٹھی میٹھی لہریں اُن کے مصرعوں کے اندر مچلتی ہیں اور سیدھی دل میں اترتی جاتی ہیں (ایوب خاور)
- (7) ان کے کلام میں صوفیانہ گہرائی، ذہنی پختگی اور بر جستگی کے علاوہ خلوص کی فراوانی پائی جاتی ہے (ڈاکٹر شہناز مزمل)
- (8) وہ لوگ اس مجموعے کو پڑھیں جو کہہ رہے ہیں کہ ادب جمود کا شکار ہے۔ ایسے بے معنی و لالچئی جملے ان کے لئے باعوض شرمندگی ہوں گے۔ (کرامت بخاری)
- (9) شاہین بھٹی کی شاعری نئے لہجوں اور نئے موسموں کی خبر دیتی ہے۔
(قاضی جاوید)
- (10) مجھے امید ہے کہ خدا شاہین بھٹی کے شعر و ادب سے بہت بڑا کام لے گا۔
(شہزاد احمد)
- (11) شاہین بھٹی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خود کو اچھی شاعری سے وابستہ کر رکھا ہے۔ (ستار سید اسٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان)
- (12) شاہین بھٹی کیونکہ موسیقی سے بھی گہرا شغف رکھتے ہیں اس لیے اُن کی شاعری میں موسیقیت کا عنصر انہیں ممتاز کرتا ہے۔ ڈاکٹر حسن فاروقی۔
(شعبہ میوزک ریڈیو پاکستان)

شاپین بھٹی کی دیگر تصانیف

- 1- روح کی خوشبو 1996ء شاعرت القرآن پبلیکیشنز لاہور
- 2- انداز شاپین 2001ء شاپین میموریل پبلیکیشنز لاہور
- 3- پرواز شاپین 2002ء علمی کتاب خانہ لاہور
- 4- پرواز شاپین (اردو قواعد و نمٹا پردازی برائے نهم دهم)
- 5- پرواز شاپین (اردو قواعد و نمٹا پردازی برائے ہشتم)
- 6- پرواز شاپین (اردو قواعد و نمٹا پردازی برائے ہشتم)
- 7- پرواز شاپین (اردو قواعد و نمٹا پردازی برائے ہشتم)
- 8- "آگ میں پھول کھلے" (شعری مجموعہ) احسن بک ہاؤس لاہور
- 9- آپس کی بات (اخباری کالم) زیر طبع
- پیا سے بدل (پنجابی شعری مجموعہ) //

”ترے نام سے“

مری ابتدا ترے نام سے مری انتہا ترے نام سے
اُسے منزلیں بھی کہیں کہ آ، جو قدم اٹھا ترے نام سے

جسے حسنِ دل تو کرے عطاء، اُسے ہر نظر کہے مرحبا
رخِ دلربا، وہ جدھر بڑھا، وہی در کھلا ترے نام سے

تری دلکشی کے سرور میں، مری زندگی کا دوام ہے
مجھے اشکِ گل سے گلاب کر، کہ ملے صبا ترے نام سے

تو ہی سب سے بڑھ کے قریب ہے تو ہی سب سے بڑھ کے حبیب ہے
جو الم کی دھوپ نے آیا، تو ملی گھٹا ترے نام سے

ترے پیار کی جو کلی کھلی رگِ زندگی ہے مہک اُٹھی
وہی خوشبوؤں کا امیں ہوا، جو مہک اٹھا ترے نام سے

ملے حوصلہ، کروں حق ادا، تری خلق کا ہے کرم ترا
ترا حق ادا، جو نہ ہو سکا، تو ہے آسراء ترے نام سے

دل بے نوا نے بھی اک دیا، ترے نام کا ہے جلا لیا
جہاں ظلمتوں کی اٹھی گھٹا، تو ملی ضیا ترے نام سے

ترے بحرِ ویر، ترا ہر نگر، مرے حال پر، ہے تری نظر
مرا ہر ہنر، ہو گل سحر، میں رہوں جڑا ترے نام سے



”سب تیرا ہے“

جو میرا ہے کب میرا ہے
 سب تیرا ہے سب تیرا ہے
 گلزار میں تو، کہسار میں تو
 ہر پنچھی کی چہکار میں تو
 ہے پھولوں کی مہکار میں تو
 ہر پل ہر جا سنسار میں تو
 ہر دل میں تیرا ڈیرا ہے
 سب تیرا ہے، سب تیرا ہے
 دلدار ہے تو، غمخوار ہے تو
 ہر پیار سے بڑھ کر پیار ہے تو
 مختار ہے تو، سرکار ہے تو
 ہر عظمت کا حقدار ہے تو
 جذلوں پر تیرا گھیرا ہے
 سب تیرا ہے، سب تیرا ہے
 کچھ دشمن ہیں، تو یار بھی ہیں
 ڈاکو ہیں تو پہریدار بھی ہیں

کچھ غافل، کچھ بیدار بھی ہیں
 شہزور بھی ہیں، لاچار بھی ہیں
 ہر شب کے ساتھ سویرا ہے
 سب تیرا ہے، سب تیرا ہے
 رہبر بھی یہاں بجھوائے ہیں
 مجھے رستے سب بتلائے ہیں
 مجھ پر غفلت کے سائے ہیں
 تیرے احسان بھلائے ہیں
 تو پھر بھی سہارا میرا ہے
 سب تیرا ہے، سب تیرا ہے
 قصبوں شہروں اور گاؤں کا
 دریاؤں کا، صحراؤں کا
 نادانوں کا، دانائوں کا
 سب شاہوں اور گداؤں کا
 یہاں جو گیوں والا پھیرا ہے
 سب تیرا ہے، سب تیرا ہے





کہاں مرے فن کی نارسائی، کہاں یہ چشمے ابل رہے ہیں
انہی کے فیضِ نظر سے جذبے، حسین لفظوں میں ڈھل رہے ہیں

کہاں وہ جلوے کی اک جھلک سے، پہاڑ بھی راکھ ہو رہا ہے
کہاں یہ عرشِ عظیم پر بھی، پہن کے نعلین چل رہے ہیں

کہاں بدلتی رتوں کے دھارے، بدل کے رکھ دیں نقوش سارے
انہی کے جذبے، انہی کے چرچے، انہی کے رستے اٹل رہے ہیں

کہاں وہ دھرتی فساد یوں کی، کہیں نہیں تھی مثال جس کی
کہاں وہ صحرائیں سنور کر، نظامِ عالم بدل رہے ہیں

کہاں وہ یومِ نشور جس میں، سبھی لبوں پر ہے نفسا نفسی
وہاں بھی امت کے غم میں اشکِ شہِ امم ہی مچل رہے ہیں

کہاں وہ زندہ زمیں میں گڑنا، نصیبِ حوا کی بیٹیوں کا
کہاں یہ خلدِ بریں کے ساماں، انہی کے قدموں میں پل رہے ہیں

کہاں ہیں بیتِ خدا کے شیدا، وہ آکے دیکھیں جمالِ طیبہ
ذرا بتائیں تو کس کے دم سے حرم کے رتبے بدل رہے ہیں

کہاں یہ انساں فہیمِ قرآن ، ہوا ہے تیرے طفیل ، ورنہ
جلالِ قرآن سے بحرِ برکیا، پہاڑ کے دل دہل رہے ہیں

کہاں یہ سنگِ رہِ زمانہ، کہاں یہ فیضِ شہِ زمانہ
کہ سوزِ شاہیں سے پھر دلوں میں چراغِ الفت سنبھل رہے ہیں



”ماں“

وہ گنجِ محبت جو ملا ماں کی اماں میں
 پایا تھا، نہ پایا ہے، نہ پائیں گے جہاں میں
 صحرا کے جھلتے ہوئے اشجار سے بڑھ کر
 خود جل کے بھی اولاد کو رکھتی ہے اماں میں
 اولاد ستائے بھی، تو ماں اُس کو دعا دے
 چاہے نہ بُرا اُس کا، کبھی وہم و گماں میں
 پڑھ لیتی ہے چہرے سے چھپے دل کے فسانے
 ایسا کوئی ہمارا نہیں اور جہاں میں
 بچوں کے کبھی ناز اٹھاتے نہیں تنہا
 ناراض بھی ہو جائے تو امرت ہو زباں میں
 جیسا بھی لکھوں ماں کی محبت کا ترانہ
 لگتی ہے کمی جھکو سدا اپنے بیاں میں
 شاہین سمجھتے ہیں وہی ماں کے مراتب
 سہتے ہیں جو فرقت کے تھپڑے رگِ جاں میں



والد کے نام

یہ جیون کی مہلت بہت مختصر ہے
سرریگ سائل یہ مٹی کا گھر ہے

رہا نقشِ دائم اُسی کا مگر ہے
بنا جس عمارت کی خونِ جگر ہے

مرا شعر اُن کی دُعا کا ثمر ہے
انہی کے اجالے سے میری سحر ہے

جو بچپن میں بچھڑے، مگر ہر سفر میں
مری زندگی پہ اُن کی نظر ہے

جو بچپن میں جھکو دکھائے انہوں نے
انہی راستوں پر ابھی تک سفر ہے

سدا علم و فن اُن کا روشن رہے گا
اُنہی کی عطا ہے، جو مجھ میں ہنر ہے

میں گرنا بھی چاہوں تو گرنے نہ دے گی
سدا اُن کی حرمت جو پیش نظر ہے

تمہاری طرح پیار سے کوئی ڈانٹے
یہ نخل تمنا رہا بے ثمر ہے

جہاں کوئی مشکل پڑی زندگی میں
خدا کے سوا کچھ نہ آیا نظر ہے

چھپاتا ہوں یہ پیاس، دنیا سے لیکن
ترستا بہت دستِ شفقت کو سر ہے

دعا ہے رہے دل میں خوشبو تمہاری
ضیا بار جب تک فلک پر قمر ہے



سید مراتب اختر گیلانیؒ کے حضور

روحوں کی تشنگی کو مٹائے تری نظر
دل کی سیاہ شب کو تجھی سے ملے سحر

تیری عقیدتوں کی فضا میں بکھیر دیں
قتلِ معرفت کے چھپے راز کی خبر

آباؒ مرے کو دین محمدؐ کے نور سے
آباؒ تمہارے دے گئے جلوہ فشاں سحر

”دیشو شریف“ گنج گہر بار تھا جہاں
موتی تری سخا نے لٹائے نگر نگر

رقصاں رہی ہیں آندھیاں مذہب کے نام سے
دائم چراغِ فن یہاں روشن رہا مگر

شاہیں پڑا تھا وقت کے طوفان سے دل زدہ
تیری نظر کے جام سے کھانے لگے ہیں پر



وحید العصر جناب وحید الحسن ہاشمی کے نام

جہانِ علم و ادب کشا میں، وحید تجھ سے غنی کہاں ہیں
نجانے کتنے سحابِ تشنہ، تری علالت سے بے اماں ہیں

جو بے زباں تھے انہیں زباں دی، خلوصِ فن کی نزاکتوں سے
کہ اب تو شاہیں سے بے نشان بھی، ترے کمالات کا نشان ہیں



استاد محترم سردار محمد اقبال موگل کے نام (1988ء)

ہیں خدائے لم یزل کی قدرتیں ہر سو عیاں
 قالبِ خاکی میں بھر دے برق سا جوشِ رواں
 خیر و شر کی کشمکش دنیا سے مٹ سکتی نہیں
 گھپ اندھیرے میں نہاں ہوں نور کی کرنیں کہیں
 خطۂ لاہور پر پھیلی کرنِ انوار کی
 جو بنی پنجاب یونیورسٹی احرار کی
 فیض کا مرکز یہ لا کالج بنائے آگئی
 نازِ گلشنِ گلابوں کو مہک اس میں بیٹی
 ضوفشاں ”اقبال“ ہے اس بزم کا ”سردار“ ہے
 بحرِ عرفان کا ”موگل“ قافلہ سالار ہے
 ہے یہاں قائم جو مرکزِ علم کا، عرفان کا
 ہے سجانے میں بڑا کردار اس انسان کا
 اس نرالے دور میں کیٹا لگے استاد جو
 ہر دلِ شاگرد میں چھوڑے مثالی یاد کو
 دین کی تاثیر بھی فطرت میں شامل ہو گئی
 یوں جہاں آراء کی اک تصویرِ کامل ہو گئی
 گل کوئی بزمِ چمن کی جاں یونہی ہوتا نہیں
 نازِ بزمِ جہاں، انساں یونہی ہوتا نہیں

رہنما استاد کا، معمار کا معمار ہے
 طالبان آگہی کا قافلہ سالار ہے
 کھیل کا میدان ہو یا معرکہ ہو علم کا
 جس جگہ دیکھا ہمارے آو میں سایا کیا
 اُس مثالی فصل کا حصہ ہے جو کیا ہے
 کیا کتابِ زندگی ہے، خوشنما ہر باب ہے
 واسطہ رہتا ہے تیرا کرگس و شاہین سے
 دل بدل جاتے ہیں تیری دلنشین تلقین سے
 گو سزا اعمال کی پاتے کئی دیکھے یہاں
 ہاتھ سے تیرے نہیں دیکھا کسی دل کا زیاں
 آدمی مرکز، مقابل خامیاں اور خوبیاں
 خوبیاں چھانیں، تو محوِ رشک ہوں کروٹیاں
 کیوں نہ اُس سالار کے ساتھی محاذوں پر بڑھیں
 جو کہے خود چڑھ کے، آؤ کوہ پر ایسے چڑھیں
 ہے دعا، سایا ترا اس باغ پر قائم رہے
 ضو فشاں نقشِ کفِ پا کی ضیا دائم رہے
 ہے یہی کچھ مانگتا شاہین، حسینِ ابلغ میں
 تو رہے سایہ فگن یوں ہی مہکتے باغ میں



”علامہ اقبال“

دہر میں شانِ حجازی منتشر ہونے لگی
 ٹوٹ کر، امروز و فردا میں کہیں کھونے لگی
 کہکشاں نے نور کا تحفہ دیا اس حال میں
 سوز کی بجلی رواں کی قلبِ اقبال میں
 قوم کو تاریک غاروں میں تری کرنیں ملیں
 خوابِ منزل یوں دکھایا دل کی کلیاں کھل اٹھیں
 مردِ مومن پر خودی کا راز وا ہوتا گیا
 ہند میں روشن ستارے آسماں بوتا گیا
 ہے وہی اقبال جو سوزِ چمن کی آگ میں
 عمر بھر سلاگا مگر بانٹی ضیا ہر راگ میں
 زخم پر مرہم، زباں پر بانگین، احسان ہے
 روشنی بحرِ تفکر میں تری پہچان ہے

یوں تری للکار سے کشتی کنارے آگئی
 قوم کی توقیر ہمدوشِ ثریا ہو گئی
 نیند سے جن کو جگایا تو نے اپنے ساز سے
 پھر وہی سونے لگے ہیں اک نئے انداز سے
 غیرتِ ایماں جو تیرے سوز نے بیدار کی
 تہہ چڑھی جاتی ہے پھر سے شیوہِ اغیار کی
 دیکھ لے تہذیب کا ڈھانچہ پڑا بیمار ہے
 ہے مسیحا پاس لیکن جان سے بیزار ہے
 میں نئے موسیٰ یہاں، کتنے نئے فرعون ہیں
 راز کھلتا ہی نہیں، اصلی مسیحا کون ہیں
 روح تیری ہر حسیں جذبے کا گرمائے لہو
 زندہ جاوید ہے افکار کی صورت میں تو
 اب ترا شاہیں تھیڑوں سے بہت کمزور ہے
 آ مرے اقبال تیرے جاگنے کا دور ہے



محمد علی جناحؒ کے نام

دہر ایسی ہی چٹانوں سے بقا پاتا ہے
جن کو طوفان سے الجھنے میں مزہ آتا ہے

جاوداں لوحِ زمانہ، پہ رہے نقشِ وفا
وقت تو وقت ہے، ہر حال میں کٹ جاتا ہے

جن کو تاریکیِ شب، تاجِ شہنشاہی دے
اُن کو سورج کا حسیں نور کہاں بھاتا ہے

شب کا کہسار بھی حائل ہو اگر کرنوں میں
جذبِ سورج کی کھلے آنکھ تو کٹ جاتا ہے

یہی منظر تھا، جہاں تیرا سراپا ابھرا
ترا انداز، لہو آج بھی گرماتا ہے



”شاگردوں کے نام“

اے جواں جذبوں کے پیکر، اے جوانانِ وطن
 تم میں پنہاں ہے، کہیں افلاک چھو لینے کا فن
 پا لو اپنی ذات میں، کھویا ہوا آبِ حیات
 موت سے اپنی ملے گی دائمی تم کو نجات
 ہو توازن کھیل میں، تفریح میں، تعلیم میں
 جیت ہے استاد اور ماں باپ کی تعظیم میں
 آن ہو تم اس چمن کی، یہ تمہاری آن ہے
 ہر جگہ اس کی تمہارے کام سے پہچان ہے
 یوں کرو تسخیر، ہمت سے فضائے بیکراں
 رشک کرتا ہو تمہاری رفعتوں پر آسماں
 دل یہ کہتا ہے مچلتا دیکھ کر جوشِ رواں
 جو نہیں ہم کر سکے، تم کر دکھاؤ گے یہاں

روح کی گہرائیوں میں جھلملاتی ہے دعا
 مسکراؤ پھول کی صورت گلستاں میں سدا
 یہ ہراول کی طرح ہوں گی جہاں بھی جاؤ گے
 ہر جگہ میری دعائیں ساتھ اپنے پاؤ گے
 رفعتِ عالم جو تم میں سے، کوئی پا جائے گا
 یہ خوشی میرے لیے ہو گی بڑھاپے میں عصا



اُجالا

تیرگی سکتے ہیں ہے روشن جہاں ہونے کو ہے
لہر اٹھتی ہے جو دل سے نیکراں ہونے کو ہے

سارا عالم ایک کنبے کی طرح ہونے لگا
نیکراں اقلیم، شیشے کا مکاں ہونے کو ہے

اہل گلشن کو ہوائیں موڑنا آنے لگا
دور طوفانوں سے اپنا آشیاں ہونے کو ہے

جبر کی زنجیر توڑے گا، غلاموں کا ہنر
یوں غلامی کا چلن دائم رواں ہونے کو ہے

جو لڑائی سے الجھتی ہی رہی تھیں گتھیاں
بات سے کھلتی ہیں یہ سب پر عیاں ہونے کو ہے

یہ بشر آگے بڑھا جاتا ہے جس رفتار سے
لگ رہا ہے راز دارِ کن فکاں ہونے کو ہے



ضرورتِ رہنما

سبھی کے ہوں ارمان سینے میں اس کے
 سبھی کے سروں پر وہ چادر تنی ہو
 رضائے خدا ہو، جو اُس کی رضا ہو
 حقیقت یوں فطرت کا حصہ بنی ہو
 زباں اُس کی، ہم کو حقائق بتائے
 یہ بڑھکوں کی عادت نہ اُس کو پڑی ہو
 بھلائی سے پھرنا، نہ سیکھا ہو اُس نے
 نہ باطل سے آواز اُس کی دبی ہو
 سبھی قوم کنبے کی مانند جانے
 جو ہو فیض اپنوں پہ، سب پر وہی ہو
 جڑا اُس کا رشتہ ہو، سب کے دلوں سے
 کوئی دل دکھے، چوٹ اُس کو لگی ہو
 جہاندیدہ، اسرارِ عالم کا محرم
 زمانے کی ہر چوٹ اُس نے سہی ہو

لگے ہم سا، ہم سے ہو، اور ہم زباں ہو
 عوامی خوشی میں ہی اُس کی خوشی ہو
 اشارہ نظر کا اندھیرے بھگائے
 نگاہوں سے ہر دم رواں روشنی ہو
 جو ہو سات پردوں میں دشمن کی سازش
 عقابِ نظر اُس کو پہچانتی ہو
 کبھی اپنے بگڑوں پہ سختی ہو کرنی
 تو انصاف میں اُس کی دانش ملی ہو
 نشاں اُس کے قدموں کے رستے دکھائیں
 جو منزل کہیں قوم کی کھو گئی ہو
 عروج مراتب جھکائے یوں اس کو
 کہ پھل سے کوئی شاخ جیسے جھکی ہو
 لڑے خود، ہراول میں ہمت بڑھائے
 اگر قوم پر کوئی مشکل گھڑی ہو
 ابھی انتظار اُس کا کرنا ہے شاید
 سبھی جاگ جائیں یہ پیدا تبھی ہو



”آئیڈیل ہمسفر“

پڑے اُس کا کچے گھرے سے جو پالا
جواں آنچ سے اُس کو پکا بنائے
کٹھن راستوں پر وہ تھکتا جو دیکھے
سیلتے سے وہ میری ہمت بندھائے
اگر پڑ ہی جائے، کوئی گھر پہ آفت
وہ مشکل میں کاندھے سے کاندھا ملائے
جو کچھ الجھنوں سے اداسی ہو چھائی
ادا اُس کی دل سے اداسی بھلائے
وہ خوش بختیاں اُس کے اعمال کی ہوں
جہاں وہ رہے کوئی آفت نہ آئے
جہاں دو فریقوں میں جھگڑا ہو پیدا
وہاں میٹھی باتوں سے جھگڑا مٹائے
وہ ہر حال میں خوش رہے، مجھکو رکھے
زمانے کی گردش جو دل کو ستائے
وہ ایثار و صبر و رضا کا ہو پیکر
نہ دل میں شکایت نہ ہونٹوں پہ ہائے

وہ ماں باپ بھائی کسی کا بھی گھر ہو
 جہاں بھی رہے اُس کی عزت بڑھائے
 ہو جس روپ میں بھی مثالی لگے وہ
 مثال اُس کی لوگوں کو رستا بتائے
 مثالی ہو اُس کی مزاج آشنائی
 کہے بن وہ ہر بات کو جان جائے
 ذہانت، حیا اُس کی آنکھوں سے برے
 جو بولے تو ہر بات دل گدگدائے
 جو ہو جلوہ گر، برگ و گل تازگی لیس
 جو گلشن میں جائے، خزاں بھاگ جائے
 رہے خام گرچہ ہو جو بن پہ گلشن
 وہ آئے سبھی بند کلیاں کھلائے
 کسی حال میں حسن چھوڑے نہ اُسکو
 جو غصہ بھی آئے تو چہرہ سجائے
 دم صبح، صبح بخیر اُس کا کہنا
 مٹھاس اُس کی، اُس شام تک گدگدائے
 محبت کے پھولوں سے بھر دے وہ گھر کو
 نہ قالین، صوفے نہ شوکیں لائے
 وہ حسن و ادب، وہ حیا آنکھ میں ہو
 کہ جنت کی حوروں کا بھی دل جلائے

جو محفل میں چپ ہو تو ہر دل پکارے
 کرے بات کوئی کہ محفل سجائے
 مقابل وہ آئے تو دل کی صدا ہو
 یہ لمحہ قیامت تلک ٹھیر جائے
 نہ ٹی وی، نہ تھیٹر، نہ فلموں کی حاجت
 مجھے اپنی آنکھوں سے دنیا پھر آئے
 وہ شربت پلائے یا سادہ ہو پانی
 شراب طہورہ لگے جب پلائے
 پڑے اُس کی خاطر جہاں چھوڑ دینا
 سودا بھی مہنگا نہ کوئی بتائے
 عیاں پختگی اُس کے کردار کی ہو
 کبھی کوئی اُس پہ نہ انگلی اٹھائے
 سجاوٹ، سلیقہ، ادب ہو مثالی
 بزرگوں کو آنکھوں پہ اپنی بٹھائے
 جو دنیا میں چھوڑوں، اگر اُس سے پہلے
 تو بچوں کو شاہیں بنا کر دکھائے
 ملے ساتھ اُس کا، تو دنیا ہو جنت
 کوئی پھر نہ آنکھوں میں اپنی سمائے
 جو دنیا میں کاٹے ہوں دن اس ادا سے
 تو جنت میں کیوں دل نہ اُس کو بلائے



”تنہائی“

اور ہوں گے، جو ہواؤں میں صدا دیتے ہیں
ہم تو تنہائی کے عالم کا مزہ لیتے ہیں

چاند کو دیکھ لیا، پھول سے باتیں کر لیں
دامنِ دل میں حسیں چاند کی کرنیں بھر لیں

زندگی یہ نہ سمجھنا کہ ہمیں پیار نہیں
ہاں مگر راہِ تکلف کے روادار نہیں

جس کے آنے سے بہاروں میں بدل جائے خزاں
ہو چلی شام، اُسے ڈھونڈنے اب جائیں کہاں

اپنے ارماں کسی نوخیز شجر کو دے کر
کاش سو جائیں حسیں گھاس کا بستر لے کر

نئی دنیا کی صبا چھو کے کہے، ہم سے، اٹھو
اُس میں سب کچھ ہو مگر ایک یہ تنہائی نہ ہو



فیض احمد فیض کی قبر پر

تیرے افکار کے شعلوں کی تپش ماند نہیں
 پھر بھی محفل میں ٹھٹھرنے کی روش باقی ہے
 منتظر بزم ہے کب سے کہ نیا دور چلے
 وقت کی گرد میں، مستور مگر ساقی ہے
 قبر سے آئی ندا، پیاس میں شدت ہو اگر
 سب میسر ہو یہی شیوہ آفاقی ہے



”چرواہا“

وہ جو اسکول میں جاتے ہیں اٹھا کر بٹتے
 کتنے خوش بخت ہیں سب رنگ جہاں دیکھیں گے
 ایک بے نام سی حسرت کی لہر اٹھتی ہے
 کیا مری عمر اسی طور گزر جائے گی
 میں اسی دھوپ کی شدت میں پریشان رہ کر
 دودھ بھینسوں کا گوالے کے حوالے کر کے
 خود مقدر ہے مرا، چھاچھ، وہ مرچوں کا اچار
 باپ دادا بھی تو ایسے میں ہی خوش باش رہے
 اسی اثنا میں کسی اور کی بھینسیں آ کر
 اُس کی بھینسوں سے لڑائی کے لیے بڑھتی ہیں
 اب ہے بس یاد اُسے، کیسے سنبھالوں حالات
 بعد کچھ دیر کے بھینسیں بھی مگن، وہ بھی مگن
 وہی چرواہوں کی محفل، وہی دھرتی، وہ گگن



سہارے

جو سہارے تلاش کرتا ہے

اُس جواں کی بھی کیا جوانی ہے

جو ملے راہ، اُس پہ غیرت سے

چلتے جانا ہی زندگانی ہے

رحم کی بھیک غیر سے لینا

اہل غیرت کی کب نشانی ہے

انہی کھیتوں میں ہل چلاتا جا

تیرے حصے میں جن کا پانی ہے

اپنی ہمت سے تو اڑے گا تو پھر

تیری پرواز لا مکانی ہے



پارک

پارکوں میں جو صبح کرتے ہیں
 اپنا دامن خوشی سے بھرتے ہیں
 پیار دنیا میں بانٹنے والے
 حسن فطرت سے پیار کرتے ہیں
 نقش رہتے ہیں تازگی بن کر
 جو مناظر دلوں میں بھرتے ہیں
 غم کو خاطر میں جو نہیں لاتے
 ایسے لوگوں سے غم بھی ڈرتے ہیں
 ان کی باتوں سے آئے گی خوشبو
 جو گلوں سے کلام کرتے ہیں
 حسن، پاکیزگی، ادب، شوخی
 کتنے جلوے یہاں بکھرتے ہیں
 اُن سے امراض دور رہتے ہیں
 ورزشیں جو مدام کرتے ہیں
 سو کے قسمت بگاڑنے والے
 کیا شکوہ فلک پہ دھرتے ہیں



ڈاکٹر مرزا آصف بیگ صاحب کے نام

جن کی تنویر کا دھرتی سے نہ ہو قرض ادا
 اُن ستاروں میں حسین نام عیاں ہوتا ہے
 یاد آتے ہی جو مہکا دے، فضائیں، وہ بشر
 مطلبی دور میں پیدا ہی کہاں ہوتا ہے
 داد کی، ثروت و شہرت کی، نہ عہدے کی طلب
 پھر بھی کب گوہر نایاب نہاں ہوتا ہے
 کام کو کام نہیں، زہد و عبادت کہنا
 اُن کے افعال سے لوگوں پہ عیاں ہوتا ہے
 پھیل کر جو شب تاریک منور کر دے
 نقش ”آصف“ سے اجالا وہ رواں ہوتا ہے
 آمنہ، قاسم و منصور، خدیجہ سب پر
 پیکرِ عکسِ نجات کا گماں ہوتا ہے
 تیرے سائے میں جو بنتا ہے مسیحا اس میں
 عکسِ استاذ کی خوشبو کا نشان ہوتا ہے
 دم قدم اُن کا سلامت رہے، دائم یا رب
 دھوپ میں جن پہ گھٹاؤں کا گماں ہوتا ہے



امید

شبِ ظلمت، کسی دل پر، اگر طوفان ڈھاتی ہے
کرن کے روپ میں امید آکر جگمگاتی ہے

یہی امید، مظلوموں کی غیرت کے لبادے میں
جو دب کر بھی نہیں مرتی، تو آخر جیت جاتی ہے

اسی امید کی لو پر، جلا کرتے ہیں پروانے
لہو جب رنگ لاتا ہے، سحر پلکیں بچھاتی ہے

اسی امید پر سبزہ، خزاں میں بھی نہیں مرتا
بہار آکر جگمگاتی ہے، جوانی لوٹ آتی ہے

اسی امید کا دامن کبھی مت چھوڑنا شاہیں
یہی منزل پہ لاتی ہے مگر کچھ آزماتی ہے



سائنس دان

یہ لوگ کوئی کم تو نہیں، شمس و قمر سے
کرتے ہیں جو تزیینِ جہاں علم و ہنر سے

سائنس کا کرشمہ، اُسی سورج کا لقب ہے
انسان اُگاتا ہے، جسے خونِ جگر سے



کھیل

زمانہ کھیل ہے جس میں، ہر اک ذرہ کھلاڑی ہے
یہاں مشاق بھی ہارے تو کہلاتا اناڑی ہے

زمانہ کھیل ہے جس میں، وہی شہزور کہلائے
جو محنت بھی کرے، قابل بھی ہو، تقدیر بھی لائے

زمانہ کھیل ہے جس کے، عجب دستور ہوتے ہیں
جہاں دلشاد ہوتے ہیں، وہیں رنجور ہوتے ہیں

زمانہ کھیل ہے جس کی، نرالی ریت ہوتی ہے
کسی کی ہار میں پنہاں، کسی کی جیت ہوتی ہے

زمانہ کھیل جسمیں مقابل خیر و شر آئیں
جہاں پر خیر غالب ہو بہاریں پھول برساکیں



”استاد“

کسی میں جو بھی عظمت ہے، اسی کے دم سے پائی ہے
قدم استاد کے چھوٹا، کمال بادشاہی ہے

یہاں سے روشنی پاتی ہیں، شمعیں سرنگوں ہو کر
یہاں سرتان کر آنا، دلیل کم نگاہی ہے

جواہر علم و عرفاں کے، ملیں گے لڑکے طوفاں سے
نہیں تفریق رشتوں کی، پرایا ہے یا بھائی ہے

بھلا کر خامی محسن، نظر میں خوبیاں رکھنا
معلم سے عقیدت میں، تری اپنی بھلائی ہے

حصول علم اے شاہیں، نہیں ہر شخص کی قسمت
جو آیا بن کے پروانہ، ضیا اُس نے ہی پائی ہے



”زندگی“

پوچھ بیٹھا پوچھنے والا، کہ کیا ہے زندگی
شونجی گل نے کہا، بادِ صبا ہے زندگی

ایک قتلی نے کہا، حسن و ادا ہے زندگی
مست و بے خود ہنس کے بولا، میکدہ ہے زندگی

حسن کا شیدا کہے، گل کی ادا ہے زندگی
ایک دلہن نے کہا، رنگِ حنا ہے زندگی

ایک عاشق نے کہا، اک دلربا ہے زندگی
اک مفکر نے کہا، قائمِ سدا ہے زندگی

ایک شاعر نے کہا، سوزِ نوا ہے زندگی
ایک برہن رو کے بولی بے وفا ہے زندگی

ایک اہل فن کہے، آبِ بقا ہے زندگی
ایک مومن نے کہا، قُربِ خدا ہے زندگی

ایک جابر نے کہا، جور و جفا ہے زندگی
طالبِ ثروت کہے، پیسہ لکا ہے زندگی

ایک بھوکے نے کہا، وافر غذا ہے زندگی
اک مجاہد نے کہا، نازِ وِغا ہے زندگی

قولِ خود سر تھا کہ طاقت کا نشہ ہے زندگی
اک قریب المرگ بولا، خواب سا ہے زندگی

سب کی سن کر، فیصلہ اُس نے دیا ہے زندگی
روبرو جس کے جو رخ آیا، لگا ہے زندگی

رنج و راحت میں سبھی کی کٹ تو جاتی ہے مگر
جو جیا، ہر حال میں خوش، وہ جیا ہے زندگی



”آزادی“

یہ سچ ہے بحرِ ظلمت میں نہاں ہوتی ہے آزادی
 مگر جذبوں کی تابش سے، عیاں ہوتی ہے آزادی
 یہ وہ پھل ہے، جو بزدل کے مقدر میں نہیں ہوتا
 لہو کی آبیاری سے، جواں ہوتی ہے آزادی
 یہ نعمت چھین لیتے ہیں، زمیں سے جھومتے دریا
 نصیب بحرِ خاموشاں کہاں ہوتی ہے آزادی
 مظلوم کی حدیں ڈھائے، سدا ظالم یہی چاہے
 مگر مظلوم کے دل کی زباں ہوتی ہے آزادی
 یہ پروانوں کی نظروں میں، حسیں شمع سے ہے بڑھ کر
 گلوئے جبر پر تیغِ فساں ہوتی ہے آزادی
 حصولِ اس کا بہت مشکل، حفاظت اور بھی مشکل
 تبھی اقوامِ ارفع کا نشاں ہوتی ہے آزادی
 یہ اُس کی پاسباں ہوگی، جو اس کا پاسباں ہوگا
 ہوا کے دوش پر خس کا، مکاں ہوتی ہے آزادی
 جہاں رسمیں غلامی کی، مزاجِ زندگی ٹھہریں
 وہاں آزاد ہو کر بھی کہاں ہوتی ہے آزادی



شاعری

یہ شاعری کی دنیا	اک ساحری کی دنیا
اک دلنگار دنیا	اک بیقرار دنیا
اس میں رواں رہوں گا	گر گر کے پھر اٹھوں گا
عالم تخیلاتی	تنہائیوں کا ساتھی
غم ہو کسی کا اس پر	رہنا ملول دن بھر
جب رات کا سماں ہو	نظروں میں سب جہاں ہو
ہنستا ہو جب زمانہ	اشکوں میں ڈوب جانا
ایسے میں دیکھ آنا	فردا کا سب فسانہ
مجبوریاں نبھانا	خود سے بھی وہ چھپانا
رستے نئے دکھانا	یوں قافلے بچانا
اس کی فضا عجب ہے	دیوانگی کا ڈھب ہے
زادِ سفر سے عاری	پھر بھی سفر ہے جاری

چلنا بھی بیقراری

رکنا بھی بیقراری



”عورت“

زندگی گر پھول ہے، تو بہت جلد ہی صبا
ہے اُسی کے دم سے قائم رنگ و نکھت کی فضا

سازِ ہستی میں اگر شامل نہ ہو اس کی نوا
کیا فسانہ، کیا ترانہ، ہر زمانہ بے صدا

بزمِ کوئی ہو کبھی، اس کے سوا سجتی نہیں
جس طرح چمکے نہ بجلی تو گھٹا سجتی نہیں

اک روا ماتی ہے قتلی کو سنورنے کے لیے
پیرہن بے انت رنگوں کے میسر ہیں اسے
مسکرائے تو فضائیں، نور برسانے لگیں
ایک آنسو سے گھٹائیں رنج کی چھانے لگیں

یوں چلاتی ہے یہ جادو و نشیں انداز کا
اک مولا کھینچ لیتا ہے گریباں باز کا

جان پایا ہے اسے کوئی، نہ جانے گا کبھی
اہل شرق و غرب یکساں، محو حیرت ہیں سبھی

کر دیا جس نے اسے، رسموں رواجوں کا اسیر
شادماں رہتا نہیں ایسے گلستاں کا ضمیر

اب یہی پیانہ احوالِ ماہ و سال ہے
ہے جہاں خوشحال عورت، وہ جہاں خوشحال ہے



فنکار

کوئی فنکار نیا نقش نہ چھوڑے دل پر
اُس سے کہہ دو، کہ ادھورا ہے تو فنکار ابھی

کچھ نہ کچھ خام ہے، ساقی ترے میخانے میں
جام پی کر بھی بہکتے نہیں مے خوار ابھی

دل میں اپنے ترے ہنگامہ طوفاں جو نہیں
تجھ سے سوئے ہوئے دل ہوں گے نہ بیدار ابھی

فن میں طاقت ہے، تو آ دیکھ، درِ دل کھلتا
دل کے ساگر پہ، کلیمانہ عصا مار ابھی

معجزہ ہے یہ تری، شوخی صدق فن کا
خوشبوئیں دہر میں بھر دے تری مہکار ابھی

فن جو ہر دل میں جمالات کی بجلی بھر دے
اُس کے چھپنے کو، بنی ہی نہیں دیوار بھی



جونکیں

ہر فن کو کچھ جونکیں چمٹی رہتی ہیں
جو خود کو، اُس فن میں یکتا کہتی ہیں

فن کے لہو سے، پیٹ کا دوزخ بھرنے کو
بیزاری سے اُس دریا میں بہتی ہیں

بد قسمت ہیں اُس گلشن کی وہ کلیاں
فن سے محرومی کا جو دکھ سہتی ہیں

ہر فن کو مل جائیں مخلص لوگ جہاں
اُس گلشن میں سدا بہاریں رہتی ہیں



شاہین

شاہین سے ظالم کو، پرنام نہیں ہوتا
گر جائے تو اوروں پر الزام نہیں ہوتا

جذبے میں اگر اُس کے، تاثیر صداقت ہو
جو کام بھی کرتا ہے ناکام نہیں ہوتا

ناکام نشانے پر، کچھ اور مچلتے ہیں
جذبے نہیں شل ہوتے گر کام نہیں ہوتا

ہے گوشہ تنہائی، مرغوب اُسے پھر بھی
جس دشت میں ہوتا ہے، گمنام نہیں ہوتا

رفعت وہی پائے گا، جس میں ہے تڑپ اس کی
بے وجہ مقدر کا انعام نہیں ہوتا



خواہش

خواہشیں بے حساب تھیں دل میں
وقتِ بے رحم کے تھیڑوں نے
کچھ کو کچا، تو کچھ سفل بھی ہوئیں

اب تو خواہش بڑی ہے سب سے یہی
ساری دنیا ہی مجھ سے پیار کرے

جب سدھاروں عدم کو وہ لمحہ
ڈرے ڈرے کو اشکبار کرے

پھر بہاروں میں جھومتا گلشن
گلِ رنوں میں مجھے شمار کرے

جس سے خلقت خدا کی پیار کرے
اُس کا بیڑا خدا بھی پار کرے



باتیں

یہی باتیں ہیں، جو شعلوں کو ہوا دیتی ہیں
 یہی باتیں ہیں جو ہر آگ بجھا دیتی ہیں
 دل سے نکلی ہوئی باتیں، دلِ انساں ہی نہیں
 عرشِ اولیٰ کے کنارے بھی ہلا دیتی ہیں
 خاک ہو کر بھی، فقیروں کی جلالی باتیں
 بادشاہوں کی مدھر نیند اڑا دیتی ہیں
 لاکھ لپٹی ہوں، حسیں رنگ میں باتیں پھر بھی
 دلِ جاہل کی سیاہی کا پتہ دیتی ہیں
 علم و دانش کی حسیں آنچ میں مہکی باتیں
 فرش سے عرش پہ انساں کو بٹھا دیتی ہیں
 کبھی توڑیں، کبھی جوڑیں، دلِ انساں کو کبھی
 کر کے گھائل یہی مرہم بھی لگا دیتی ہیں
 دل کی باتوں کو جو رکھتے ہیں دبا کر دل میں
 گھٹ کے جینے کی کڑی اُن کو سزا دیتی ہیں

سوئے تاثیر بھری اہل وفا کی باتیں
 بے وفاؤں کو وفادار بنا دیتی ہیں
 کبھی بچوں کی دل افروز انوکھی باتیں
 دل کے دریاؤں میں طوفان اٹھا دیتی ہیں
 پھول چہروں کی دلاویز مہکتی باتیں
 گلشنِ دل میں حسیں پھول کھلا دیتی ہیں
 اہل غیرت کی شرّبار نشلی باتیں
 مردہ انسان کی غیرت بھی جگا دیتی ہیں
 کیا اعجاز ہے آنکھوں سے چھلکتی باتیں
 بڑھ کے الفاظ سے تاثیر دکھا دیتی ہیں
 بیٹھ جاتی ہیں جو کچھ کام کی باتیں دل میں
 روحِ کامل کو بھی محنت میں مزا دیتی ہیں
 غم کی حالت میں دلاسوں بھری پیاری باتیں
 شدتِ درد کا احساس بھلا دیتی ہیں
 کچھ ہیں باتیں جو سحر چھین لیں گہری شب سے
 کچھ جو تاریکیِ شب اور بڑھا دیتی ہیں

بحرِ ویر، نخل و حجر، دشت و جبل بولتے ہیں
 اُن کی باتیں ہمیں آدابِ ثنا دیتی ہیں
 آنکھ والوں کے لیے بلبُل و گل کی باتیں
 حسنِ فطرت کے کئی راز بتا دیتی ہیں
 سن ذرا شمس و قمر، ارض و سما کی باتیں
 کھل کے اسرارِ حقیقت کا پتہ دیتی ہیں
 کھل کے مَر جھا کے، بکھر کے، جو کبے پھول وہ سن
 اس کی باتیں تجھے اسرارِ قضا دیتی ہیں
 سن ذرا! صیدِ انا، شہرِ خموشاں کی ندا
 ایسی باتیں سرِ مغرور جھکا دیتی ہیں
 جوشِ جذبات میں نکلی ہوئی سچی باتیں
 سچ کی پاداش میں سولی بھی چڑھا دیتی ہیں
 کہتے سنتے ہیں، جو دانش بھری باتیں دل سے
 اُن کو اک روز یہ خالق سے ملا دیتی ہیں
 سوچ کر کھول زباں، اے مرے شاہیں کہ یہاں
 تری باتیں ترے گلشن کو صبا دیتی ہیں



”اُمَنگ“

اس گلشن کا ذرّہ ذرّہ ہم خورشید بنائیں گے
امن و اخوت، مہر و وفا اور پیار کے پھول کھلائیں گے

اس گلشن میں خونِ جگر سے، وہ قصے لکھ جائیں گے
رہتی دنیا تک وہ فسانے، اہل وفاد ہرائیں گے

اس گلشن میں رات اندھیری، دنیا کبھی نہ دیکھے گی
جب تک اپنا جی چاہے گا سورج کو ٹھہرائیں گے

اس گلشن کے موسم ہم سے پوچھ کے کروٹ بدلیں گے
مست گھٹاؤں کو ٹھہرا کر، مرضی سے برسائیں گے

اس گلشن کے دشمن سن لیں، امن ہمارا شیوہ ہے
لیکن دنیا کانپے گی، جب ہم تلوار اٹھائیں گے



غزلیات

میں ترے آس پاس رہتا ہوں
پھر بھی تصویرِ یاس رہتا ہوں

تو مجھے دیکھ کر اداس نہ ہو
میں تو یونہی اداس رہتا ہوں

بے بسی کا نشان ہوں، پھر بھی
بن کے اوروں کی آس رہتا ہوں

چشمِ تر نے جو اک پیام دیا
اُس پہ محوِ سِپاس رہتا ہوں

دل میں صحرا کی تشنگی، ہے تو پھر
کیوں چھپائے یہ پیاس رہتا ہوں

جو مجھے تار تار کرتے ہیں
اُن کا بن کر لباس رہتا ہوں

خود کو سمجھا نہیں مگر شاہیں
بن کے عالمِ شناس رہتا ہوں





ہر وفا کی قسم، ہر ادا کی قسم دل کے اشکوں سے بھیگی ہوا کی قسم
مر کے بھی ہم تمہارے رہیں گے صنم اپنے ہاتھوں پہ روتی حنا کی قسم

ہے تمہیں بھی خبر، ہے ہمیں بھی خبر خوش نہیں ہم ادھر، خوش نہیں تم ادھر
اک اشارہ تراء ہو سہارا مرا اڑ کے آجاؤں بادِ صبا کی قسم

تیری مجبوریاں، لے گئی ہیں وہاں کھو چکے ہیں جہاں، منزلوں کے نشان
ہم تھے فخر جہاں، ہو گئے بے زباں تیری آنکھوں کی شرم و حیا کی قسم

دل کی دنیا کے اپنے ہی دستور ہیں تم بھی مجبور ہو، ہم بھی مجبور ہیں
اب یہی ہے دعا، خوش رہو تم سدا دل کے جذبوں سے نکلی دعا کی قسم

زندگی میں کبھی، ہو ضرورت مری مانگنا زندگی مجھ کو ہو گی خوشی
تو کہے جانِ جاں، چھوڑ دوں گا جہاں تیری سانسوں کی مہکی ندا کی قسم





ساتھ تیرے اگر بسر ہوتی
زندگی کیا شباب پر ہوتی

تیرا چہرہ، مری نظر ہوتی
شام ہوتی، یونہی سحر ہوتی

گھر سے باہر جدھر جدھر جاتا
تیری خوشبو اُدھر اُدھر ہوتی

جھونپڑی بھی محل سرا تھی مجھے
ساتھ تیرے ملی اگر ہوتی

مجھ پہ پڑتا الم کا سایہ بھی
بن بتائے تجھے خبر ہوتی

دور ہو کر بھی پاس ہی رہتے
تیری خوشبو پیام بر ہوتی

ریشک کرتی بہار بھی ہم پر
شونجی گل جھکائے سر ہوتی

پیار کی انتہا میں جانِ غزل
تیری خامی مجھے ہنر ہوتی

اور کوئی نظر کہاں آتا
تیری صورت نگر نگر ہوتی

مانگتا پھر خدا سے کیا کوئی
ہر تمنا جو باشر ہوتی

دل سے نکلی ہوئی دعا شاہین
کاش اپنی بھی بارور ہوتی





یہ جو اُن کی جفاؤں کی توہین ہے
یہ تو میری وفاؤں کی توہین ہے

میرا گرنا دعاؤں کی توہین ہے
جیتنا بددعاؤں کی توہین ہے

بچ نکلتا تری زلف کے دام سے
تیری ظالم اداؤں کی توہین ہے

چوٹ پر اُن کی ، ہائے جو کر دے کوئی
وہ یہ سمجھیں جفاؤں کی توہین ہے

خود ہی دل کی امنگوں کو سمجھو ذرا
لب پہ لانا عطاؤں کی توہین ہے

ان کو سن کر بھی تجھ پر اثر کچھ نہ ہو
میرے دل کی صداؤں کی توہین ہے

تیری دہلیز پر جان و دل چھوڑ کر
لوٹ جانا گداؤں کی توہین ہے

میری منزل پہ پہنچا ہوا یہ قدم
 راستے کی بلاؤں کی توہین ہے
 اپنی سمتیں بدلنا تو حق ہے مگر
 ٹھہر جانا ہواؤں کی توہین ہے
 اُن کی مرضی سے ہٹ کر محبت نہ کر
 یہ زمیں کے خداؤں کی توہین ہے
 روبرو اُن کے دانش کی باتیں نہ کر
 یہ اداء، شہنشاہوں کی توہین ہے
 کوئی پیاسا مَرے، کوئی غرقاب ہو
 یہ برستی گھٹاؤں کی توہین ہے
 اُس کا طوفاں سبب ہو یا منجدھار ہو
 ڈوبنا ناخداؤں کی توہین ہے
 سر جھکانے پہ دستار بھی چھن گئی
 یہ سبھی بے نواؤں کی توہین ہے
 سازِ شاہین کے دربارِ سوز سے
 پھول کھلانا خزاؤں کی توہین ہے





ایسے صدمے کہاں، انساں کے اٹھانے والے
 چھوڑ جاتے ہیں مگر، چھوڑ کے جانے والے
 دے کے سوغات وہ اشکوں کی چلے جاتے ہیں
 پیار کے پھول شب و روز لٹانے والے
 اُن کی یادوں سے مہکتا ہے گلستاں دل کا
 بیتے موسم جو نہیں لوٹ کے آنے والے
 لوگ کہتے ہیں تری یاد بھلاؤں دل سے
 دل یہ کہتا ہے کہ پاگل ہیں بتانے والے
 سب کے خوابوں کو میسر کہاں تعبیر مگر
 خواب تو خواب ہیں بس میں نہیں آنے والے
 خود تو کرتے ہیں، مگر غیر کو مصلوب کریں
 کیسے مشتاقِ محبت ہیں زمانے والے
 ساغرِ عشق میں ڈوبے جو، وہی پار ہوئے
 ڈوب جاتے ہیں کناروں پہ بلانے والے

عشق ہارا تھا، نہ ہارا ہے، نہ ہارے گا کبھی
 مٹ گئے نامِ محبت کے مٹانے والے
 شوق سے جاؤ بلندی پہ، مگر یاد رہے
 میڑھیاں کھینچ بھی لیتے ہیں چڑھانے والے
 وقت پڑنے پہ کوئی کام کہاں آتا ہے
 چھوڑ جاتے ہیں سبھی چوریاں کھانے والے
 پیار کی مست فضا میں ہوں میسر جن کو
 کس طرح کھو کے سلامت رہیں پانے والے
 دیکھ لینا، کسی دوزخ کے وہ درباں ہی نہ ہوں
 تجھ کو جنت کے حسین خواب دکھانے والے
 میں جو مقتل میں سردار پریشاں نہ ہوا
 میں پریشاں مجھے سولی پہ چڑھانے والے
 ہاتھ اس کام سے تھک جائیں تو کٹ جاتے ہیں
 انگلیوں پر ہیں، جو انساں کو نچانے والے
 ان کی یادوں کو دل و جاں میں بسالے شاہین
 یہ حسین نقش نہیں دل سے مٹانے والے





ہو جو اظہار کی محتاج، محبت کیا ہے
 دل کے بازار میں تکرار کی قیمت کیا ہے
 اپنی تکمیل میں ہر نقش ہے، کوشاں جس کا
 اے مصور تری تصویر میں حکمت کیا ہے
 یہ وہ سودا ہے، جو روحوں میں ازل سے طے ہے
 رسمِ دنیا کے لیے ہے، تو رفاقت کیا ہے
 لفظ تو لفظ ہے عکاسِ حقیقت کب ہو
 تیری آنکھوں سے نہ جھلکے تو حقیقت کیا ہے
 زندگی بھر نہیں پوچھیں گے، وہ شاید مجھ سے
 میں بھی کب اُن سے کہوں گا
 سچ ہے زنجیرِ خرد، حسنِ جلالت ہے مگر
 وقت پڑنے پہ نہ جاگے، تو جلالت کیا ہے
 غم کا بادل جو، ترے دل کی فضاؤں سے چڑھے
 میری آنکھوں سے نہ برے تو محبت کیا ہے

دولتِ ذوق سے، جو شخص شناسا ہی نہیں
اُس کے دل میں کسی فنکار کی حرمت کیا ہے

زیور ضبط گیا، حسنِ قناعت نہ رہا
دا دو فریاد پہ ہو بھی، تو عنایت کیا ہے

کون پوچھے گا تجھے، اے دل بیتاب یہاں
نیند آتی نہیں راتوں کو، مصیبت کیا ہے!

داد وہ شخص بھی، احساسِ وفا کی چاہے
کربلا میں جو کھڑا پوچھے، شہادت کیا ہے

سحرِ حسرت میں، مجھے چھوڑ کے جانے والے
کتنے معصوم ہیں، کہتے ہیں کہ حسرت کیا ہے

سر جھکایا تو، اٹھانے کی تمنا کیسی
ہو اگر حرص کے تابع تو عبادت کیا ہے

جان و دل نام کیا، اُن کے خوشی سے ہم نے
مانگ لیں جان تو انکار کی جرأت کیا ہے

بندگی نام نہیں، جسم کے سجدوں کا اگر
دلِ انساں نہ جھکا ہو، تو عبادت کیا ہے

حسن پر ظلم ہو اور عشق پہ لاچاری ہو
اہلِ دل ہے تو بتا، اور قیامت کیا ہے

مانگ کر پایا جو انصاف، تو کیسا پایا
کوئی زنجیر ہلا دے، تو عدالت کیا ہے

حدتِ شوق لیے، سوزِ محبت کی تپش
اُن کو بے تاب نہ کر دے، تو حرارت کیا ہے

ایک منزل پہ پہنچ کر، نئی منزل کے لیے
بیقراری نہ جگا دے، تو وہ رفعت کیا ہے

تیرے لشکر کو تو بھائے گی، تری تیغ زنی
دشمنوں کو بھی نہ بھائے، تو شجاعت کیا ہے

دل سے اٹھتی ہوئی لہروں کی صدائیں نہ سنے
میکرِ حسن ترا حسنِ سماعت کیا ہے

دہر کو نحر سیاست کے شناور نے اگر
رشکِ جنت نہ بنایا تو سیاست کیا ہے

بے گناہوں کا لہو پی کے اکڑ کر چلنا
اس سے بڑھ کر کسی انساں کی ذلالت کیا ہے

زندگی بھر جسے، کانٹوں پہ گھسیٹا ہم نے
موت کے بعد، اگر دی ہے تو عزت کیا ہے

آج افرادِ شامی کوئی معیار نہیں
باہمی پیار سے عاری ہے تو امت کیا ہے

ان فضاؤں میں وفاؤں کی ہوائیں ہی نہیں
دلِ ویراں تجھے لٹنے کی ضرورت کیا ہے

سچ ہے اعصاب، ریاضت سے توانا ٹھہریں
روحِ فولاد نہ کر دے تو ریاضت کیا ہے

کچھ کمانا ہے، تو تزئینِ جہاں نام کما
موت کے ساتھ ہی مر جائے تو دولت کیا ہے

ہو کے اپنے بھی، تکلف کے حصاروں میں رہیں
جانِ جاں تو ہی بتا رشتہ الفت کیا ہے

پارسا تجھ کو، اگر مان بھی لیں، غیر تو کیا
قلب اپنا ہی نہ مانے تو شرافت کیا ہے

اس میں کچھ شک نہیں، راحت ہے بڑی چیز مگر
کوئی دل توڑ کے چھینی ہوئی راحت کیا ہے

درحقیقت وہی توبہ ہے، جو دل صاف کرے
دل سے پتھر نہ ہٹا دے تو ندامت کیا ہے

فن وہی فن ہے، جو ہر دل کو مسخر کر لے
روح مسرور نہ کر دے تو وہ نکلت کیا ہے

پیار ہی پیار خدا، پیار ہی فرمانِ خدا
پیار دل میں نہ جگا دے تو تلاوت کیا ہے

کاج اپنوں کے توحیواں بھی سنواریں شاہین
سب کی بگڑی نہ بنا دے، تو سخاوت کیا ہے





دل پہ کیسا غبار رہتا ہے
ہر گھڑی بیقرار رہتا ہے

چشمِ مے بار کے تصور سے
ہکا ہکا خمیہ رہتا ہے

ساتھ اُن کا، نہیں نصیب مرا
پھر بھی کیوں انتظار رہتا ہے

اپنے حصے سے بڑھ کے پا کر بھی
خواہشوں کا شمار رہتا ہے

مسکرا دیں تو سارے گلشن میں
موسمِ دل بہار رہتا ہے

آسمان اُن کے ایک آنسو پر
مدتوں اشکبار رہتا ہے

سامنے جن کے لب نہیں کھاتے

دل انہی پر ثار رہتا ہے

جسم لاغر ہو چاہے جتنا بھی

پھر بھی جو بن پہ پیار رہتا ہے

جیت پاتا ہے راہوار مگر

سرخرو شہسوار رہتا ہے

پھول رہتا ہے، پھول ہی ہر جا

خار ہر جا ہی خار رہتا ہے

ساتھ پیاروں کا ہو اگر شاہین

زندگی سے بھی پیار رہتا ہے





دلِ بیزار محرومِ محبت کی نشانی ہے
 محبت کی فضاؤں میں بڑھاپا بھی جوانی ہے
 یہی سچ ہے، دیارِ رنگ و نکلت دارِ فانی ہے
 نہاں اس میں کہیں لیکن، حیاتِ جاودانی ہے
 جنم لے کر نئی دنیا میں لیلیٰ آج کہتی تھی
 نئے انداز ہیں لیکن، وہی پتا پرانی ہے
 اگر دل رو رہا ہوگا، تو ہر اک چیز روئے گی
 فضائے دل سہانی ہے، تو ہر اک شے سہانی ہے
 شکستِ زندگانی پر کوئی ڈانٹے غنیمت ہے
 کسی کی ہار پر کڑھنا محبت کی نشانی ہے
 کروڑوں ہیں زمانے میں، جو کہنے کو تو زندہ ہیں
 محبت مل گئی جن کو، انہی کی زندگانی ہے
 جہاں تاریکیاں ناچیں، ہوائیں تیز ہوں پھر بھی
 وفا کے نام کی مشعل کسی کو تو جلانی ہے
 جیا دنیائے حسرت میں، مرا دنیائے حیرت میں
 جسے شاہین کہتے ہو، یہی اُس کی کہانی ہے





ہم حسنِ گلِ تر کو بھی تم سا نہیں کہتے
سب لوگ کسی کو کبھی اچھا نہیں کہتے

لوگوں کی نہ کر بات کہ یہ لوگ تو اکثر
بے بس کی تمنا کو تمنا نہیں کہتے

وہ لوگ بھی ہیں، اہل بصیرت کی صفوں میں
زردار لٹیروں کو جو رسوا نہیں کہتے

ہو نفع تری ذات کا جس میں تجھے پیارا
بازارِ وفا کا اُسے سودا نہیں کہتے

محفل تری یادوں کی، اگر دل میں سچی ہو
ہم خود کو اکیلے میں بھی تنہا نہیں کہتے

ہے شرم و حیا، عزت و توقیر کا پردہ
ہم چہرے کے پردے کو تو پردا نہیں کہتے

جس پھول کا انداز، اچھوتا نہ ہو، اُسکو
پھولوں کے شناسا، گلِ زیبا نہیں کہتے

دریا ہے، تو دھرتی پہ حسیں پھول کھلا دے
برسات کی ندیوں کو تو دریا نہیں کہتے

اک بار جسے، اپنا وفادار نہ پائیں
اُس شخص کو ہم کام دوبارا نہیں کہتے

چلنا بھی نہ آئے، جسے جلنا بھی نہ آئے
ہم ایسے ستارے کو ستارا نہیں کہتے

محسن ہے، تو دریائے محبت میں ڈبو دے
ہم تھامنے والے کو سہارا نہیں کہتے

کترا کے محبت کی فضاؤں سے کسی کا
ہو جائے گزارا تو گزارا نہیں کہتے

اے، اے مرے محبوب، تجھے تجھ سے ملا دوں
تو، میں کا رہے فرق تو ملنا نہیں کہتے

جو پیار کی خوشبو سے گریزاں رہے شاہین
اُس شخص کو دانا، کبھی دانا نہیں کہتے





انکار کر گئے ہیں کہ اقرار کر گئے
وہ اشک جو رخسار کو گنار کر گئے

وہ اشک بے بسی تھے، کہ غنچے بہار کے
عالمِ تخیلات کا بیدار کر گئے

ممکن کہاں زباں سے، مری جاں تھا اس طرح
جیسا زبانِ اشک سے اظہار کر گئے

نظریں ملیں جو اُن سے، تو دنیا بدل گئی
دل کے جہاں کو صورتِ گلزار کر گئے

شیریں سی لگ رہی ہیں زمانے کی تلخیاں
یوں جامِ جانفزا سے وہ سرشار کر گئے

سرمایہٴ حیات ہے احساسِ دلربا
مجھ کو امیرِ حسن وہ سرکار کر گئے

حائل اگر ہوں، سات سمندر بھی درمیاں
سمجھو تمہارے نام سے ہم پار کر گئے

دے کر دعا خوشی کی وہ چل تو دیے مگر
پلکوں کے نم سے زندگی دشوار کر گئے

صدیوں سے بھی طویل ہے، اک پل فراق میں
کیسی عجیب وقت کی رفتار کر گئے

دل میں چھپے مکالمے آنکھوں سے بول کر
شاہیں کو خلدِ فرش کا حقدار کر گئے





جس کو آتا نہیں، طوفاں سے دو بدو ہونا
اُس کا مشکل ہے، محبت میں سرخرو ہونا

ایک مدت کی، بلا خیز راہ سے ہو کر
آپ سے تم پہ نہ آئے، تو کب ہے تو ہونا

سامنے اُن کے کھلا آج بے زباں ہو کر
کیا ہے اک ذرے کا سورج کے روبرو ہونا

وصل تیرا تو بڑی بات ہے، اے حسنِ جہاں
اب تو اک خواب ہوا محوِ گفتگو ہونا

جبر ہے حسن پہ قدغن کہ آشکار نہ ہو
خوشبوئے گل کی جبلت ہے کوکبو ہونا

وہ بھی تزیینِ گلستاں کی جستجو میں ہیں
جن کے گلشن میں ہے اک جرمِ خو برو ہونا

کیا بگاڑے گا اجالوں کو روک کر کچھ دیر
ابِ خوش فہم کا سورج کے روبرو ہونا

یوں بھی جائز ہے پرستش مگر یہ لازم ہے
سجدہٴ عشق میں روحوں کا باوضو ہونا

کاش ایسے ہی، تجربے سے آپ بھی گزریں
پھر میں پوچھوں کہ ہے کیا، شامِ آرزو ہونا

ہو تو سکتا ہے، مگر کام سخت مشکل ہے
آدمی ہو کے فرشتوں کی آبرو ہونا

رحم آتا ہے ترے جذبِ عشق پر شاہیں
بے زباں ہو کے، ترنم کی جستجو ہونا





حسن کا پھول جب نکھرتا ہے
 کیف و مستی فضا میں بھرتا ہے
 کوئی آ کر مرے خیالوں میں
 میری سانسیں گلاب کرتا ہے
 رہ ہی جاتی ہے، کچھ کمی تو کہیں
 کس کا دامن تمام بھرتا ہے
 اُن کا دل توڑنا قیامت ہے
 کون ورنہ کسی سے ڈرتا ہے
 مجھ کو خوش فہمیوں میں رہنے دو
 کوئی میرے لیے سنورتا ہے
 کیسے ممکن، خبر نہ ہو اُن کو
 کوئی آہیں کہیں پہ بھرتا ہے
 دل بھی کیا شے ہے چوٹ کھا کر بھی
 دم اُسی بے وفا کا بھرتا ہے
 تیرا اندازِ گفتگو ہے صبا
 دل میں ہر لفظ جا اترتا ہے
 جو ہوا تجھ کو چھو کے آتی ہے
 دل اُسے بھی سلام کرتا ہے
 جس قدر فاصلے بڑھاتے ہو
 ولولہ اور بھی ابھرتا ہے





تم دردِ جدائی سے کبھی چور نہ ہونا
میرے لیے پردیس میں رنجور نہ ہونا

اپنوں کے حسیں نام کی تحقیر ہو جس میں
اُس شرط پہ اغیار میں منظور نہ ہونا

چھن جائے نہ شیرِ تنی احساس کی خوشبو
مٹی کی مہک سے تو کبھی دور نہ ہونا

بکھرے تو فضاؤں میں بہاروں کو جگا دے
ہے جرمِ تری زلف کا مشکور نہ ہونا

چہرے پہ بجوی آنکھ بھی، اچھی تو ہے لیکن
کچھ بھی ہو کبھی قلب سے بے نور نہ ہونا

جو روح کی دنیا تری تاریک بنا دے
ایسی کسی مستی سے بھی مسرور نہ ہونا

گر جائے نہ، جھکتے ہوئے دستار ہی سر سے
اتنا کسی دربار میں مجبور نہ ہونا

ہر آنکھ تمہیں، دیدہٴ نقاد لگے گی
ہو جاؤ گے تنہا، کبھی مشہور نہ ہونا

چھو جائے تصور سے تری آنکھ کی مستی
ممکن کہاں شاہین کا مسرور نہ ہونا



(یورپ سینٹل ہونے والے ایک دوست کی روانگی کی تقریب میں پڑھی گئی)



ایک مدت سے مسکرایا نہیں
دل نے تازہ فریب کھلایا نہیں

اُن کو پانے کا خواب دیکھا تھا
تب سے اپنا پتہ بھی پایا نہیں

بزمِ ہستی سچی رہی لیکن
جس کا تھا انتظار آیا نہیں

سر پہ گرتے رہے پہاڑ مگر
میرے جذبوں نے سر جھکایا نہیں

فخرِ آدم نہ ہو سکا، جس نے
خاک ہو کر، عروج پایا نہیں

زندگی کی ہے شام ہونے کو
دل نے پھر بھی اُسے بھلایا نہیں

عمر سچ کی سند نہیں ہوتی
 اس مریم نے کیا دکھایا نہیں
 مجھ کو خود سے جو آشنا کر دے
 آئینہ اس ادا کا پایا نہیں
 وقت رہتا نہیں، سدا یکساں
 کون سا گل خزاں نے کھایا نہیں
 بیٹھ رہنا، محال کر کے، کہا
 ہم نے محفل سے تو اٹھایا نہیں
 دھندلے دھندلے تھے، منزلوں کے نشاں
 پھر بھی راہوں میں ڈگمگایا نہیں
 جن میں اُڑنا تھا، خواب شاہیں کا
 اُن فضاؤں نے آزمایا نہیں





اگر ہم ساتھ دُوراں کے، نئے دھارے میں چلتے ہیں
محبت کے تقاضے بھی، اُسی سانچے میں ڈھلتے ہیں

نہ تو لیلیٰ، نہ میں مجنوں، نہ وہ دورِ شہنشاہی
مری جاں ساتھ دنیا کے چلیں ہم بھی بدلتے ہیں

تجھے جو زیب دیتا ہے نئے رنگوں سے، وہ چن لے
جو ان رنگوں سے ڈرتے ہیں ہمیشہ ہاتھ ملتے ہیں

کئی مایوس لوگوں کی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں
بڑا احسان کرتے ہیں جو جِ بن کر نکلتے ہیں

چلیں آغاز تو کر دیں، جو ہو گا سب بھلا ہو گا
جو فخرِ شہسواراں ہیں وہ گر گر کر سنبھلتے ہیں

اگر جنت کی خواہش ہے، تو سچی پیاس پیدا کر
جہاں ہو پیاس زوروں پر، وہیں چشمے اُبلتے ہیں

کسے کہتے ہیں لٹ جانا، غموں کی تلخیاں کیا ہیں
وہی محسوس کرتے ہیں گھروندے جن کے جلتے ہیں

بھاریں لوٹ آئیں گی، سلیقے سے بلانے پر
محبت کی فضاؤں میں، شجر سوکھے بھی پھلتے ہیں

شجر کا جب سر مغرور دیکھا تو ہوا بولی
جو جھلکنا سیکھ لیتے ہیں وہی اشجار پھلتے ہیں

جو ہمت ہار بیٹھے گا، بھلا کیسے نہ ڈوبے گا
عبث اب ڈوب جانے پر، سہارے ہاتھ ملتے ہیں

جو اعلیٰ ظرف ہیں شائیں، وہ طوفاں موڑ کر چپ ہیں
ذرا سی کامرانی پر، کہیں اونچھے اچھلتے ہیں





جا بجا ہے رنگ و نکہت، حسنِ کافر کی طرح
میں کھڑا ہوں خود پہ خنجر لے کے جابر کی طرح

زندگی میں پھول بھی، کھلتے ہیں سنتے تھے مگر
کٹ گئی اپنی تو صحرا کے مسافر کی طرح

گلِ رخوں کی کج ادائی، تیلیوں کی شوخیاں
دور سے دیکھوں، کسی مجبور صابر کی طرح

جی میں تھا، روئیں کسی کاندھے پہ سر رکھ کر مگر
خود کہا، خود ہی سنا ناکام شاعر کی طرح

انجمن میں بھی مجھے، تنہائیاں ڈستی رہیں
جرم اتنا ہے کہ باطن بھی ہے ظاہر کی طرح

ظلم پر خاموش رہنا، ظلم کی امداد ہے
چپ رہے مجبور بھی تو ہے وہ جابر کی طرح

آب و گل کی بستیوں میں، ہوں تو سرگرداں مگر
دم گھٹا جائے خلاؤں کے مسافر کی طرح

جس طرح پنچھی کسی پنجرے کو گھر کہنے لگے
بے بسی سے قید میں بیٹھا ہوں صابر کی طرح

جو ملا میداں، اسی میں کود کر کچھ دیر کو
اک تماشا کر دیا گلیوں کے ساحر کی طرح

حضرتِ انساں ازل سے، رنج و راحت میں رہا
کب ہوا تنہا مگر یہ، دورِ حاضر کی طرح

شاعری بس میں کہاں، جو کچھ کہا، جیسا کہا
عکس ہے دل کی نوا کا آہِ آخر کی طرح

اعتبار اپنا سمجھ کر، جس پہ شاہیں نے کیا
چل گیا چالیں وہی، مکارِ شاطر کی طرح





بے حجابی میں بھی اندازِ حیا رکھتے ہیں
گلشنِ حسن میں تاثیرِ صبا رکھتے ہیں

کبھی آنکھوں، کبھی شانوں، کبھی پیشانی پر
کبھی رخسار پہ زلفوں کی روا رکھتے ہیں

تمیق، شوخی، گفتار، مچلتے نغمے
ان فضاؤں کے لیے رنگِ حنا رکھتے ہیں

اُن پہ قانون کی بندش کا تقاضا کیا
خنجرِ چشم جو سامانِ بلا رکھتے ہیں

اُن سے کچھ دور نہیں، کوئی کرشمہ سازی
حسن کے نام پہ اعجازِ عصا رکھتے ہیں

جب کسی دل پہ کڑی دھوپ غموں کی برے
رادتِ قلب کو زلفوں کی گھٹا رکھتے ہیں

حسن والوں کی، وفاؤں کی نہ کر بات یہاں
کم، بہت کم ہیں، جو احساسِ وفا رکھتے ہیں

اپنے جذبوں کو چھپانے میں مہارت ہے انہیں
دل کے اشکوں پہ تبسم کی ردا رکھتے ہیں

تو ہے سادہ، مرے شاہین، بہت ہی سادہ
لوگ آنکھوں میں بھی خنجر کی ادا رکھتے ہیں





جو بات مزین ہو، حسین طرزِ بیاں سے
وہ دل میں اترتی ہے، نکلتے ہی زباں سے

اک حسن کی تصویر بنانے کا جنوں ہے
اُس شان کے الفاظ مگر لاؤں کہاں سے

کچھ لوگ عبادت کے خزانے لئے جائیں
ہم توشہٴ حسرت ہی نہ لے جائیں جہاں سے

کچھ درد ہیں ایسے بھی مرے دل میں، کہ جن کا
چارا ہے میسر نہ زماں سے نہ مکاں سے

اک اور کچل دینے کو تیار کھڑا تھا
نکلے جو کسی حال میں اک کوہِ گراں سے

جو لغزشِ آبا کی تلافی نہیں کرتے
محروم رہا کرتے ہیں تسکینِ جنان سے

ہر نقش کے پردے میں مصور کی جھلک ہے
کیوں پیار نہ ہو پھر مجھے تصویرِ بتاں سے

جس دل میں، ترے حسن کی تصویرِ بسی ہو
مستور کہاں ہو گا کبھی نازِ بتاں سے

وہ دل جو، مجاہد کی اذانوں کے ہوں شیدا
بیدار کہاں ہوں گے وہ ملا کی ازاں سے

قطرے کو سمندر کی جھلک سوچنے والے
کر دشت یہ سیراب، مرے سوزِ نہاں سے

جو قافلہ خوابوں کے، سراپوں میں ہی خوش ہو
ہوتا نہیں بیدار کبھی آہ و نغاں سے

رکھ تازہ بہاروں کی تڑپ اے مرے شاہین
مانوس نہ ہو جائے چمن فصلِ خزاں سے





وہ تھے تو بارِ غم بھی، مجھے پھول سا لگا
 جن کے بغیر جشنِ بہاراں سزا لگا
 راہِ وفا میں کیفِ مصائب نہ پوچھیے
 قطرہ لبو کا مجھ کو حریفِ حنا لگا
 شاید عملِ خدا کو، مرا بھا گیا کوئی
 مجھ کو تمہارا ساتھ اُسی کی جزا لگا
 تم مسکرا دیے تو بہاریں ٹھہر گئیں
 رنگِ بہار چار سو جلوہ نما لگا
 کوئی تو بات ہو گی تمہارے وجود میں
 فطرت کا خاص حسن جو تم میں بسا لگا
 اک ٹھیس کیا لگی ترے نازک مزاج پر
 مجھ کو فرازِ عرش کا پایا ہلا لگا
 شرما کے، کچھ لجا کے، دوپٹے کی اوٹ میں
 چہرہ کنول کے پھول کی صورت کھلا لگا
 اس دربا ادا سے، ترا دیکھنا مجھے
 روئے جہاں گلاب سا مہکا ہوا لگا
 دنیائے حسن و عشق میں جادو عجیب ہے
 شاہیں سا اک فقیر بھی کچھ دربا لگا





مسکرا کر جو ملا ہم سے، وہی یار لگا
 وقت پڑنے پہ، وہی پھول نما خار لگا
 کس طرح اُن کے تعلق سے کنارہ کر لوں
 جن کے چہرے پہ تو غصہ بھی مجھے پیار لگا
 بے بصر شہر میں ہم کیسے ٹھکانہ کر لیں
 آنکھ والا تو ہر اک تیرا طلبگار لگا
 پارسا پایا جسے دور سے دیکھا ہم نے
 جس کو نزدیک سے دیکھا وہ گنگار لگا
 دل کے لٹنے کی شکایت کریں، کیسے اُن سے
 جن کا انکار بھی اکثر، مجھے اقرار لگا
 شیخ تعزیر لگائے گا، یہاں کس کس پر
 تجھ کو جس شخص نے دیکھا وہی میخوار لگا
 آج دیکھا جو علالت میں انہیں بستر پر
 شہر کا شہر اسی غم میں گرفتار لگا
 ساری دنیا سے سدا جیتنے والا شاہین
 جب ترے سامنے آیا ہے تو لاچار لگا





اگر تاثیر آجائے مرے دل کی دعاؤں میں
 خدا سے مانگ لوں جینا تری زلفوں کی چھاؤں میں
 ہجومِ غم کی بیزاری، نہ پھر میرے قریب آئے
 مری مستی کا ساماں ہو، تری رنگیں اداؤں میں
 جنہیں ہو پیار جینے سے، تمنا کے قرینے سے
 سہارا ڈھونڈ لیتے ہیں رگِ گل کی قباؤں میں
 گواہی دل یہ دیتا ہے کہ وہ بھی منتظر ہوں گے
 مگر جذبے کی خامی ہے کہیں میری صداؤں میں
 ہوا جب راگنی گائے ندا ہر پھول سے آئے
 تری زلفوں کی خوشبو ہے، رچی مہکی ہواؤں میں
 شناسا ہیں وہی شاہیں، میسر پیار ہے جن کو
 سکونِ جانفزا کیسا ہے الفت کی فضاؤں میں





کبھی کبھی مسکرا دیا کر، فضا میں مستی جگا دیا کر
کنول دلوں کے کھلا دیا کر، دلوں کے موسم سجا دیا کر

یہ مال و دولت جواں نظارے، سدا رہیں گے کہاں تمہارے
کسی کو اپنا بنا لیا کر، کسی پہ خود کو مٹا دیا کر

جہاں خوشی ہے وہیں یہ غم ہے، کہیں بہت ہے کہیں یہ کم ہے
اگر کوئی غم تجھے ستائے مجھے وہ چھپ کر بتا دیا کر

مری ریاضت عروج پائے، مجھے بھی فن میں سرور آئے
کبھی تُو اپنے حسین لبوں سے، مری غزل گنگنا دیا کر

چمن میں آ کر، نقاب اٹھا کر، نظر ملا کر، ادا دکھا کر
گلوں کی شوخی اڑا دیا کر صبا میں ہلچل مچا دیا کر

وہی جواں ہے وہی جوانی، جو چھوڑ جائے نئی کہانی
جہاں پکارے یہ زندگانی دیے وفا کے جلا دیا کر

ہزار سمجھایا دل کو شاہیں مگر وہ ضد پر اڑا ہوا ہے
وہ آئیں چاہے نہ آئیں لیکن، تو رہ میں پلکیں بچھا دیا کر





پیار ہے یا دیوانہ پن ہے کچھ بھی کوئی کہے
دل تو یہی کہتا ہے کہ دیکھے ہر پل ساتھ تجھے

ایک جھلک سے موسم دل کے یوں کھل اٹھتے ہیں
ساتھ ہوا کے لہرائے یہ، بادل سنگ اڑے

محفل میں ہر جانب تو ہی تو ہے نظروں میں
تنہائی میں اک پل بھی دل تجھے نہ بھول سکے

کیسا لکھنا، کیسا پڑھنا، مجھے کتابوں میں
جو کچھ بھی لکھا ہو اب تو تیرا نام لگے

جو کہتا ہے، پیار خطا ہے، کتنا سادہ ہے
منزل سے بھی خوب سفر ہو، جب دل ساتھ چلے

عشق نگر کو لوگ سنا ہے آتش کہتے ہیں
جذبوں میں سچائی ہو تو آگ میں پھول کھلے





ہم پیار کے پیارے ہیں، ہم پیار کے پیارے ہیں
 اصلی نہ سمجھ لینا چہروں پہ جو ”ہاے“ ہیں
 ہر عمر کے لوگوں کو شکوے ہیں زمانے سے
 دادے ہیں کہ پوتے ہیں، مانے کہ نواسے ہیں
 پوچھو نہ جوانوں کا دن رات سلگتے ہیں
 آنکھوں سے جھلکتے ہیں، سینوں میں جو کا سے ہیں
 الجھے ہوئے لگتے ہیں، رہبر بھی مسیحا بھی
 دل غم سے تڑپتے ہیں، ہونٹوں پہ دلا سے ہیں
 سنسار کو چھانا ہے، تب راز یہ جانا ہے
 اک تم ہی نہیں شاہیں، سب پیار کے پیارے ہیں





آئیں بہاریں جائیں بہاریں، دل میں تمہاری یاد رہے گی
انہی سہانی یادوں کے دم سے دُنیا مری آباد رہے گی

جذبے جواں تھے، جذبے جواں ہیں کل بھی رواں تھے اب بھی رواں ہیں
ہر پر قدم پر اپنی نظر میں، رسم و رہ فرہاد رہے گی

جو بھی ہوا ہے اچھا ہوا ہے، اُن کی رضا میں اپنی رضا ہے
ہم وہ نہیں ہیں جن کے لبوں پر اپنوں سے فریاد رہے گی

یادوں میں آ کے ہر غم مٹا دے، اُن کا تصور دنیا سجا دے
دکھ ہو کہ سکھ ہو، اُن کی لگن میں، دل کی نگریا شاد رہے گی

ہجر کے داغ کی نثع جلے گی، مر کے بھی دل سے بجھ نہ سکے گی
اُن کی عطا سے، فکر فنا سے، ہستی مری آزاد رہے گی

دل کی دعا ہے، جس جا رہے تو، دنیا کا کوئی غم نہ سبے تو
مجھ کو سمجھنا شاد ہمیشہ، جان اگر تو شاد رہے گی





آج بھی دل میں مہکتی ہیں پرانی شائیں
جو ترے ساتھ گزاری تھیں سہانی شائیں

بیت جانا تھا تو پھر کس لیے جاتے جاتے
دے گئیں دل کو حسیں درد نشانی شائیں

بھول سکتی ہے کہاں، گلشنِ رنگیں کی فضا
جس کو دیوانہ بناتی تھیں دوانی شائیں

کبھی پھولوں، کبھی جھرنوں، کبھی پروانوں کی
روز دہرائیں نئی ایک کہانی شائیں

دلنیشیں حسنِ نوا، حسنِ ادا، تھا وہ ترا
رنگ و نکھت سے ہوئیں رات کی رانی شائیں

شہر کی بھیڑ میں شاپنگ کے بہانے کھو کر
کتنی دلکش تھیں ترے ساتھ بتانی شائیں

یاد ہے شامِ جدائی کا وہ منظر جس میں
یہ تصور کہ نہیں لوٹ کے آئی شائیں

جو کبھی شام کے آتے ہی مہک اٹھتا تھا
اب ہیں اُس دل کے لیے وجہِ گرانی شائیں

یہ بھی انعامِ محبت ہے جو پیری میں ملے
یاد آئیں، تو جگا جائیں، جوانی شائیں

کم اترتی ہیں زمیں پر کہ یہ مغرور نہ ہو
خُلد کے مہکے گلستاں کی نشانی شائیں





محبت میں زمانے کا کوئی کھٹکا نہیں ہوتا
سر سودو زیاں دل کا کبھی سودا نہیں ہوتا

اصولوں پر جو لڑتا ہے کبھی رسوا نہیں ہوتا
جو خود اپنا محافظ ہو کبھی تنہا نہیں ہوتا

لغات عشق میں الفاظ کے معنی بدلتے ہیں
وفا کے نام پر ہارا کبھی ہارا نہیں ہوتا

ہزاروں حسن کے جلوے سحر انگیز ہوں پھر بھی
جنہیں دل مان لے اپنا کوئی اُن سا نہیں ہوتا

ازل سے حضرتِ انساں کی سوچوں میں تفاوت ہے
کسی جیسے نہیں ہو تم، کوئی تم سا نہیں ہوتا

بشر کی روح میں اپنی رضائیں ٹھونسے والو
مقید ایک سانچے میں کبھی پارا نہیں ہوتا

اُدھر مجبوریاں اُن کی، اُدھر مجبوریاں اپنی
وگرنہ ساتھ اپنوں کا کسے پیارا نہیں ہوتا

جواں ہے ذوق جینے کا، تو چارہ گر ہزاروں ہیں
مریض یاس کا کوئی کہیں چارا نہیں ہوتا

کرے تنہا، بھرے تنہا، سبے رنج و الم تنہا
مسافر پیار کا ایسا تو بے پروا نہیں ہوتا

نظامِ عشق و مستی کے، عجب دستور ہیں اس میں
کوئی بندہ نہیں ہوتا، کوئی آقا نہیں ہوتا

اُسی پہ شاد ہے شاہیں، اسے جو بھی میسر ہے
سبھی لوگوں کی قسمت میں من و سلوئی نہیں ہوتا





پیار کرتے ہو ساتھ ڈرتے ہو
 اُس کا کیا ہو گا جس پہ مرتے ہو
 شام خود کو سمیٹتے ہو مگر
 صبح ہوتے ہی پھر بکھرتے ہو
 جس نے تم سے چرایا تم کو
 دم اُسی بے وفا کا بھرتے ہو
 دل کی راہوں پہ چل پڑے ہو تو پھر
 آبلے کیوں شمار کرتے ہو
 ساحلوں کی طلب مٹا دو تم
 ڈوبتے ہو کبھی ابھرتے ہو
 دل میں کوئی نہیں بسا ہے تو پھر
 کس کی خاطر سنگھار کرتے ہو
 جن پہ چلنے کا حوصلہ ہی نہیں
 ایسی راہوں سے کیوں گزرتے ہو
 خواب زندہ ہیں مر کے بھی شاہین
 تم بھی کیا کمال کرتے ہو





خدا کبھی جو قیامت کا سوچتا ہوگا
ترا جمال سپر بن کے روکتا ہوگا

چمن کے پھول، شجر، طائرانِ زیبِ چمن
سبھی نے جامِ ترے نام کا پیا ہوگا

کسی کے دل میں اترنا ہو آرزو جس کی
ترے کلام کے لہجے میں بولتا ہوگا

گلاب خود میں سنورنے کی آرزو لے کر
مٹھاس تیرے تبسم کی گھولتا ہوگا

تجھے اداس جو دیکھے، تو چاند بھی جھک کر
تری نشاط ستارے سے مانگتا ہوگا

کسی بھی مذہب و ملت کا فرد ہو لیکن
بہارِ حسن کی تکریم جانتا ہوگا

چلو یہ مان ہی لیتا ہوں جی رہا ہوں مگر

ترے حصارِ تمنا میں جی لیا ہوگا

تری قسم ہے، خرچہٴ چین لوں گا شب سے ابھی

اگر لہو میں ترے نام کا دیا ہوگا

ترے خیال میں آؤں تو یوں سمجھ لینا

مرے وجود کا گلشن مہک اٹھا ہوگا

ملے جو تحفہ تری ایک مسکراہٹ کا

اندھیری شب میں مجھے روزِ ضیا ہوگا

غموں کی دھوپ پہنچ جائے جب ترے دل تک

تو یوں سمجھنا کہ شاہین مر گیا ہوگا





دیوانگی پہ میری، تجھے یوں نہ گلہ ہوتا
اک بار انہیں تو نے اگر دیکھ لیا ہوتا

وہ حسن کا شاہکار، اگر جلوہ نما ہوتا
انسان تو انسان، فرشتہ بھی فدا ہوتا

اس دل کے سمندر میں، تلاطم نہ بپا ہوتا
اک چاند کی کرنوں نے، اگر چھونہ لیا ہوتا

صدیوں کا حسیں خواب حقیقت میں ڈھلا ہوتا
اک بار اگر اُس نے مجھے اپنا کہا ہوتا

لہراتے جو نازک سی کلائی کو ہوا میں وہ
ہر سمت فضاؤں میں بسا رنگِ حنا ہوتا

ہلکا سا تبسم جو، گلستاں میں لٹا دیتے
ہر پھول اسی سحر سے مسحور ہوا ہوتا

وہ شمع سر بزم فروزاں جو ہوئی ہوتی
پروانہ تو پروانہ ہے جگنو بھی جلا ہوتا

تا عمر مری جان، مرے خواب مہک جاتے
اک بار زباں سے جو، مرا نام لیا ہوتا

رسم ہی عیادت کو کسی روز جو آجاتے
ہلکا سا تبسم مجھے پیغامِ شفا ہوتا

ہے پھول تو پھر نازش گلزار ہے تو ورنہ
یوں پھول کی آتش میں نہ میں شعلہ نوا ہوتا

مل کر وہ پھڑپھڑ جاتے اگر تجھ سے، تو پھر شاہیں
اک لمحہ جدائی کا بھی پیغامِ قضا ہوتا





آنکھیں حسیں گلاب کی آنکھوں میں ڈال کے
دل میں مچل اٹھے ہیں کرشمے جمال کے

کہہ تو رہے تھے لوگ مگر، یاد کچھ نہیں
رکھنا قدم جو عشق میں، رکھنا سنبھال کے

نظریں ملیں تو فاصلے سارے سمٹ گئے
سب راز کھل گئے ہیں ترے دل کے حال کے

ہر دل مچل اٹھا ہے محبت کے ساز سے
منظر عیاں ہوئے ہیں ہلالِ شوال کے

کتنے حسیں دلوں سے دعائیں مچل اٹھیں
حاسدِ نظر پہ چھا گئے بادلِ ملال کے

دنیاۓ دُربا، کے حسینوں میں اس طرح
سگم کہاں ملیں گے جمال و جلال کے

اک جنبشِ نظر کی ادا کام کر گئی
سمجھا گئی جواب، مرے ہر سوال کے

چہرے کا خال ہے کہ شکاری کا جال ہے
سب دل ہوئے شکار ترے دامِ خال کے

تیری نظر سے جامِ پیا تو خبر ہوئی
پیا سے تھے ہم تو لاکھ سوا لاکھ سال کے

دل کھیلنے کی شے، نہ غنیمت کا مال ہے
نازک مگر گراں ہے، اسے رکھ سنبھال کے

شام و سحر خدا سے دعا ہے، تو ہے یہی
آئیں نہ تیرے حسن پہ سائے زوال کے

اے شیخِ مہرباں تجھے حوروں کا واسطہ
قصے مجھے سنا نہ حرام و حلال کے





وقت ہم یوں گزار لیتے ہیں
جیسے مفلس ادھار لیتے ہیں

ٹوٹ جائے نہ دل مقابل کا
جیت پا کر بھی ہار لیتے ہیں

اپنے حصے کے پھول دے کے انہیں
اُن کے حصے کے خار لیتے ہیں

کر کے تنہا سماج سے خود کو
قرض دل کا اتار لیتے ہیں

جب نہ تقسیم گھر کی ہو ہم سے
زلزلوں کو پکار لیتے ہیں

اُن کا وعدہ فریب ہے پھر بھی
جانے کیوں بار بار لیتے ہیں

بے قراری عطا ہوئی جن سے
ہم انہی سے قرار لیتے ہیں

وہ بہاریں لٹا رہے ہیں چلو
عکس دل میں اتار لیتے ہیں

کھال زندہ شکار کی اکثر
حسن والے اتار لیتے ہیں

دل کے ارماں نہ مار دے کوئی
ہم انہیں خود ہی مار لیتے ہیں

ہم سے منکر نکیر شام و سحر
چاہتوں کا شمار لیتے ہیں





دل کی حالت نہ پوچھیے جب سے
اُن سے مل کر بچھڑ گئے سب سے

اب میں سمجھا چکور کا رشتہ
کیسا ہوتا ہے چاندنی شب سے

اُن کو پا کر یہ ٹھان رکھا ہے
کچھ نہیں اور مانگنا رب سے

کھل اٹھے کائنات کی ہر شے
پھول جھڑتے ہیں جب حسیں لب سے

حسن کی ہر ادا ملے اُن میں
ہر ادا ہے مگر نئے ڈھب سے

دل ہے میرا یقین دلا کے مجھے
شوق سے پھر ملا کریں سب سے

کیا بتائیں کٹے ہیں دن کیسے
صبح کرتے ہیں کس طرح شب سے

باغ الفت سے جب سے آئے ہیں
اک جوانی نئی ملی تب سے

جاگ اُٹھے ہیں دیکھ کر اُن کو
دل کے ارماں جو سوئے تھے کب سے

ایسا لگتا ہے آج اے شاہین
زندگی کی ہے ابتدا اب سے





کہاں سب کا مقدر ہیں وصالِ یار کی راتیں
سدا شاداب رہتی ہیں، کسی کے پیار کی راتیں

اسی امید نے دل کی فضا رنگیں بنائی ہے
کبھی اتریں گی ہم پر بھی ترے دیدار کی راتیں

کہاں بارِ سحر خیزی، قیامت خیز لگتا تھا
کہاں آنکھوں میں کٹتی ہیں اُسی گمنام کی راتیں

فسانے رات کے دن کے، اجالوں میں چمکتے ہیں
فسانے دن کے کہتی ہیں کسی سنسار کی راتیں

کبھی گزرا ہوا لمحہ، کسی قیمت نہیں ملتا
بڑا بد بخت ہے جس کی، کٹھیں بیکار کی راتیں

وہی پر کیف خاموشی، وہی جادو بھری آہٹ
تری یادیں جگاتی ہیں حسیں کہسار کی راتیں

وہی خوشبو، وہی مستی، وہی شوخی، وہی جادو
ترے پہلو میں لے جائیں حسیں گلزار کی راتیں

تصور میں سما جائے، اگر اک چاند سا چہرہ
رتوں کو جانفزا کر دیں حسیں جھنکار کی راتیں

نئی منزل، نئی مستی، نئی دنیا جگاتی ہیں
بڑی حساس ہوتی ہیں دل بیدار کی راتیں

فضا رنگیں مگر انساں، سکونِ قلب سے عاری
دلوں کو پھر بھی بھاتی ہیں سمندر پار کی راتیں

جسے دیکھو وہ نکھرا ہے فضا میں نور نکھرا ہے
جواں جذبے جگاتی ہیں بھرے بازار کی راتیں

نہیں ممکن بیاں اُن کا فقط الفاظ میں شاہیں
کٹھن کیسے گزرتی ہیں فراقِ یار کی راتیں





حسن ہوتا نہیں چھپانے کو
گل کو خوشبو ملے لٹانے کو

وہ سراپا بہار ہیں سنکر
ہم بھی آئے تھے دل سجانے کو

خود ہی گرنا پسند ہو جن کو
کون آئے انہیں اٹھانے کو

سنگِ بیکار، شاہکار بنے
گر مصور ملے، بنانے کو

کاش ایسی فضا میسر ہو
کوئی ترسے نہ مسکرانے کو

پچھلے زخموں سے رس رہا ہے لہو
پھر ہیں تیار زخم کھانے کو

دیر کرنے کی انتہا کر دی
کیا کہیں اُن کے لوٹ آنے کو

حسنِ گلشن کی فکر ہو کیسے
جن کو ٹکڑا ملا نہ کھانے کو

رہ گئے ہم ہی سوچتے ورنہ
کیا نظارے تھے دل لگانے کو

دل لٹایا تو ہوش بھی نہ رہا
کچھ بچا ہی نہیں لٹانے کو

روٹھنا بے سبب سہی اُن کا
پھر بھی جانا تو ہے منانے کو

جو مقدر دلا رہا ہے مجھے
ہاتھ اٹھتے نہیں وہ پانے کو

جو ازل سے خیال میں ہے نہاں
اب ہے شاہیں زباں پہ لانے کو





تم وہاں، ہم یہاں جو پچھتائیں
 کیوں نہ ہم پھر سے ایک ہو جائیں
 شیوہ اہل ظرف تو ہے یہی
 معذرت سے کبھی نہ شرمائیں
 جوشِ جذبات میں جدا ہو کر
 ہجر میں کیوں دلوں کو ترپائیں
 وقت مرہم جو دے رہا ہے وہ لیں
 کیوں یونہی دل کے زخم سہلائیں
 ہے پہل نازش لیکن وفا
 پھر بھی اکثر پہل سے کترائیں
 آج اس شرط پر ملیں پھر سے
 جو ہوا پھر اُسے نہ دھرائیں
 زندگی ایک بار ملتی ہے
 کیوں اسے الجھنوں میں الجھائیں
 جا کے بازارِ رنج و راحت میں
 کیوں نہ خوشیاں خرید کر لائیں
 کون سچ پر تھا، تھی خطا کس کی
 ہم ہیں تیار ہر سزا پائیں

لوگ جلتی پہ تیل ڈالیں گے
 دل کے رشتوں میں کیوں انہیں لائیں
 تو بھی تنہا ہے، میں بھی تنہا ہوں
 پھر سے بزمِ نشاط گرمائیں
 رنج و راحت میں جو رہے یکجا
 وہ حسین بن کے آج اٹھائیں
 کس کو شکوہ نہیں، یہاں کس سے
 ٹھوکریں در بدر کی کیوں کھائیں
 صرف لوگوں میں ناک رکھنے کو
 کیوں ستم اپنے آپ پر ڈھائیں
 یہ جو راہیں ملن کی باقی ہیں
 کیوں نہ پھولوں سے ان کو مہکائیں
 اپنا دل تو ہے جبر کا عادی
 کیوں ترے دل کو ساتھ تڑپائیں
 اپنا مانا ہی زندگی ہے تو پھر
 دور سے کیوں دلوں کو ترسائیں
 چھوڑ کر موسمِ خزاں شاہیں
 موسمِ گل کی مستیاں پائیں





تنہائیوں میں اپنی، مرا ہی قصور ہے
 چھوٹے سے دُور ہوں میں، بڑا مجھ سے دُور ہے
 معیارِ حسن سب کا ہے اپنا جدا جدا
 دل جس پہ آگیا ہو، وہی رشکِ حور ہے
 ہر شخص میں چھپا ہے خزانہ کہیں مگر
 جو کر گیا تلاش وہی باشعور ہے
 کر لے اُسے تلاشِ حسیں دل کے نور سے
 تیرے لہو میں نہرِ شرابِ طہور ہے
 مانا ترا نہیں ہے مقدر مرا مگر
 میں اس کا کیا کروں جو دلِ ناصبور ہے
 ٹھہرا ہے جس کا لازمی کٹنا کسی گھڑی
 سانسوں کے عنکبوت پہ کیما غرور ہے
 خلقِ خدا سے پیار کا موتی خرید لو
 ہر شے سے قیمتی یہ خدا کے حضور ہے
 جرمِ وفا پہ جس کو زمانہ بُرا کہے
 سمجھو اُسی گروہ میں شاہیں ضرور ہے





تیری آنکھوں سے جھلکتے ہیں فسانے کیا کیا
تیری قربت میں ملے دل کو خزانے کیا کیا

جن کا کچھ نام نہیں، آج بھی ایسے طوفاں
میرے سینے میں مچلتے ہیں نجانے کیا کیا

تھا وہ تیری ہی امانت جو ترے ہاتھ لگا
دل پہ لگتے رہے دن رات نشانے کیا کیا

دل میں وہ بات اترتی ہے جو نکلے دل سے
لوگ کہنے کو تو کہتے ہیں ترانے کیا کیا

جن کی تعبیر مرے بس میں نہیں ہے شاید
خواب دیکھے تھے مری ماں نے سہانے کیا کیا

آج دیکھا ہے شجرِ فصلِ خزاں میں تنہا
مہک اٹھے ہیں مرے زخم پرانے کیا کیا

شدتِ پیاس میں در در پہ وہ دستک دینا
 جستجو نے تری ڈھونڈے ہیں ٹھکانے کیا کیا
 آہِ مظلوم سے اٹھتے ہوئے طوفانوں سے
 خاک ہوتے ہوئے دیکھے ہیں گھرانے کیا کیا
 ہو کے مجبور محبت کی حسیں آتش سے
 ہم کو پڑتے ہیں ترے ناز اٹھانے کیا کیا
 دل تری یاد کو اشکوں سے سجانے کے لیے
 ڈھونڈ لیتا ہے رلانے کے بہانے کیا کیا
 اب تو شاہیں کسی جنگل میں پناہیں ڈھونڈو
 کر چکے شہرِ تمنا میں ٹھکانے کیا کیا





جب شرارے تری ادا کے گرے
اڑتے پنچھی بھی پھڑپھڑا کے گرے

دل میں اُن کا خیال آتے ہی
غم کے آثار مسکرا کے گرے

چشمِ مے خیز سے فضاؤں میں
سللے سرخی حنا کے گرے

زیر لب اُن کے گنگنائے سے
دل پہ جھرنے مدھر صبا کے گرے

تیرے دامن میں بے زباں ہو کر
خود کو تیرے لیے مٹا کے گرے

اُن کی آنکھوں میں جھانکتے ہی کہیں
پر مری شوخی ندا کے گرے

پھول سیلابِ رشک میں ڈوبے
جب گل تر تری نوا کے گرے

ایک جنبش پہ تیرے قدموں میں
اخترِ عرش جھللا کے گرے

کتنے مغرور تھے، وہ سر شاہین
ہو کے رسوا، جو گڑ گڑا کے گرے





ہم کو غیروں پہ اعتراض نہیں
اب تو اپنے بھی کارساز نہیں

راز ہو کر بھی اب یہ راز نہیں
آپ سا کوئی دلنواز نہیں

تیری صورت کا حق ادا کر دے
کوئی ایسا سخن طراز نہیں

خواب کیا شے ہے اور حقیقت کیا
اب تو نظروں میں امتیاز نہیں

پیار جن کو فراز کرتا ہے
اُن سے بڑھ کر کوئی فراز نہیں

وہ جو نکلا ہو تیرے سینے سے
تیرے قبضے میں پھر وہ راز نہیں

اپنی ہستی نہیں رہی اپنی
پھر بھی حاصل، تری نیاز نہیں

عشق و مستی کی داستانوں میں
بس میں محمود کے، ایاز نہیں

دل ہلاتا نہیں، تو فن کیا ہے
سوز جس میں نہ ہو، وہ ساز نہیں

جتنا محفل میں بن کے بیٹھا ہے
شیخ اتنا بھی پاکباز نہیں

مصلحت کی قبا میں چھپ جائے
عشق ایسا زمانہ ساز نہیں

اب تو آجا، حیاتِ نو لے کر
عمر اتنی مری دراز نہیں

سرفرازی ہے کیا، اگر شاہین
اُن کی نظروں میں سرفراز نہیں





خواب اکثر، بکھر ہی جاتے ہیں
گھٹ کے شعلے بھی مر ہی جاتے ہیں

بہہ نہ جانا جنوں کی لہروں میں
دل کے دریا اتر ہی جاتے ہیں

دل کو کیا ہو گیا خیالوں کے
سارے رستے اُدھر ہی جاتے ہیں

کیا مقدر ہے، اُن پرندوں کا
اُڑنا چاہیں تو پَر ہی جاتے ہیں

حوصلے چھوڑ دینے والوں پر
غم کے بادل ٹھہر ہی جاتے ہیں

راستے میں ہوں آگ کے دریا
عشق والے گزر ہی جاتے ہیں

دل پہ جب موسمِ بہاراں ہو
رنگ سارے نکھر ہی جاتے ہیں

مسکرا کر وہ جس طرف دیکھیں
خود بخود جام بھر ہی جاتے ہیں

بستیاں دل کی لوٹ کر اکثر
شاہِ خواباں مکر ہی جاتے ہیں

زعمِ طاقت کا بھی بجا ہے مگر
جیتِ محوِ سفر ہی جاتے ہیں

جس کو دیکھا ہے رفعتوں پہ اُسے
لے کے اُس کے ہنر ہی جاتے ہیں

جینے والے بھنور میں بھی جی لیں
کچھ تصور سے مر ہی جاتے ہیں

بڑھ کے حوروں سے وہ بجا لیکن
اُن سے ملنے بشر ہی جاتے ہیں

جذبِ کامل سے کرنے والوں کے
کاج سارے سنور ہی جاتے ہیں

سب کی قسمت میں برگ و گل ہیں کہاں
کچھ شجر بے ثمر ہی جاتے ہیں

کتنے مجبور ہیں، لہیں، جن سے
شکوہ لے کر اُدھر ہی جاتے ہیں

وہ جو برق و شرر سے الجھے گا
اُس کے شمس و قمر ہی جاتے ہیں

نشہ گپڑی کا حد سے بڑھنے پر
ساتھ گپڑی کے سر ہی جاتے ہیں

جن فضاؤں میں بھی اڑیں پنچھی
شام ہونے پہ گھر ہی جاتے ہیں

تیز آندھی کے ساتھ اے شاہین
پہلے تنہا شجر ہی جاتے ہیں





عنوان بدل گئے ہیں، فسانے بدل گئے
تو بھی بدل کہ اب تو زمانے بدل گئے

دل میں نہ رکھ دبا کے تمنا کی بجلیاں
اکثر انہی سے آئینہ خانے بدل گئے

ہم سے محبتوں کی کہانی نہ پوچھیے
سب تیر چل چکے تو نشانے بدل گئے

جس حسن کی تلاش میں صدیوں رواں رہے
پہنچے وہاں تو لوگ سہانے بدل گئے

جذباتِ عشق نے نئی راہیں تلاش لیں
اربابِ حسن کے بھی بہانے بدل گئے

خط کو کبوتروں کی ضرورت نہیں رہی
جادے پیام بر کے پرانے بدل گئے

رہنا سنور کے حسن کا فطری مزاج ہے
گیسو بدل گئے ہیں تو شانے بدل گئے

سازِ قدیم، رونقِ بزمِ طرب نہیں
مستی بدل گئی ہے ترانے بدل گئے

صورت بدل گئی ہے جزیروں کی اس طرح
جیسے سمندروں کے ٹھکانے بدل گئے

بجتی ہیں پارکوں میں حسینوں کی محفلیں
لذت بدل گئی ہے، تو کھانے بدل گئے

یورپ سنوارنے کے، عزائم تھے شیخ کے
پہنچے وہاں تو اپنے گھرانے بدل گئے

بدلی رتوں کی روشنی شاہیں عجیب ہے
کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ تھانے بدل گئے





جیت لے یا ہار، خوشی سے گلے لگانا ہے
چلتے جانا، چلتے جانا، چلتے جانا ہے

بزدل ہیں جو تاریکی کا رونا روتے ہیں
اپنی اپنی حد میں ہم کو دیا جلانا ہے

جب تک دم میں دم ہے اپنا یہی ارادے ہیں
خود طوفانوں سے لڑ کر سنسار بچانا ہے

بلکنا، جھکننا، رکنا اُس کا، موت ہے جذبوں کی
انسانوں سے پیار کو جس نے منزل جانا ہے

ناممکن ہے پورا ہونا ہر اک خواہش کا
جو کچھ قسمت میں لکھا ہے وہی تو پانا ہے

دکھ سکھ تو دنیا میں ہمیشہ آتے جاتے ہیں
مشکل سے گھبرانا، اس کو اور بڑھانا ہے

ہر دل میں امید کے سورج روشن رکھتے ہیں
 مایوسی کا ہر اک دل سے نام مٹانا ہے
 جن راہوں پر چلنے والے عظمت پاتے ہیں
 وہ راہیں مشکل ہوں گی، دستورِ زمانہ ہے
 رنگ اور نکھت پت جھڑ میں بھی، جس کے ماند نہ ہوں
 جذبوں کی سچائی سے وہ پھول کھلانا ہے
 ہر مشکل کا حل ہے تیری، اپنی ہمت میں
 ہر درماندہ دل میں یہ احساس جگانا ہے
 کام بڑے لوگوں کو ہمیشہ زندہ رکھتے ہیں
 تخت و تاج کا نشہ تو شاہیں آنا جانا ہے





روشنی بانٹتا سراج رہا
ظلمتوں کا ہی پھر بھی راج رہا

ہے تو دھوکہ مگر تصور میں
حسن و خوشبو کا امتزاج رہا

لاکھ صبر و رضا کے جام پیے
دل مگر محوِ احتجاج رہا

کیسا آنا ہے چارہ گر تیرا
جب نہ ممکن مرا علاج رہا

رت بدلتی رہی مزاج مگر
دل پہ فصلِ خزاں کا راج رہا

تھکتے دیکھے تو دل کہے، شاہین
منتظر پھر ترا وہ آج رہا





کسی کی کسی سے نظر مل رہی ہے
محبت کی خوشبو فضا میں رچی ہے

کسی نے بتایا نہیں کچھ کسی کو
مگر سب کو اس کی خبر ہو چکی ہے

کوئی جل رہا ہے، کوئی شادماں ہے
انہی شوخ رنگوں سے محفل سجتی ہے

یہاں آج بوڑھے جواں لگ رہے ہیں
یہ کیسی ہوائے جوانی چلی ہے

یہ پر کیف دنیا ہے مسرور ایسے
کہ ہر دل سے غم کی گھٹا چھٹ چکی ہے

کہیں تھم نہ جائے یہ سازِ محبت
سبھی انجمن میں یوں باپل مچی ہے





یوں مچلتے ہوئے جذبوں کو سُدھایا جائے
 حسن میں حسن کا احساس جگایا جائے
 خوش نصیبوں کو ملے ساتھ حسینوں کا یہاں
 حشر میں ساتھ حسینوں کے اٹھایا جائے
 یاد جس شخص کی اک پل بھی بھلائی نہ گئی
 زندگی بھر کے لیے کیسے بھلایا جائے
 جس کی کرنوں سے مرے دل میں ہے طوفاں برپا
 کیسے اُس چاند میں طوفان اٹھایا جائے
 اور پانے کی تمنا بھی جواں ہو لیکن
 جو میسر ہو وہی بانٹ کے کھلایا جائے
 چارہ گر جب مری حالت سے کنارہ کر لیں
 اُن کا نامہ مرے سینے سے لگایا جائے
 بے قراری تو اُدھر بھی ہے، مگر ہم سی نہیں
 بے قراری کو وہاں کیسے بڑھلایا جائے
 روشنی ہو وہاں، شمعوں میں، مگر آگ نہ ہو
 کیوں نہ پروانوں کا اک شہر بسایا جائے

رنگ و نکلت کی بہاروں سے سجا کر گلشن
 پھول، پھر گیسوئے جاناں میں لگایا جائے
 خود کو آئینہ بنا کر، مری خواہش ہے کبھی
 تیرا چہرہ بھری محفل میں دکھایا جائے
 تو اگر اپنی حفاظت کا روادار نہیں
 کیوں ترے حسن پہ دربان بٹھایا جائے
 رہبری میں یہ ہنر آج بھی کام آتا ہے
 کس طرح جاگتے لوگوں کو سلایا جائے
 روشنی خوب سہی، کون مگر چاہے گا
 برف کے شہر میں خورشید اگایا جائے
 زندگانی کا سفر کام کٹھن ہے لیکن
 جس قدر ہو اسے آسان بنایا جائے
 پاسباں کم ہیں لٹیروں کی فراوانی ہے
 کس طرح حسن گلستاں کو بچایا جائے
 جس کے پھل پھول خزاؤں میں بہاریں بھر دیں
 کیوں نہ شاہیں یہاں، وہ پیڑ اگایا جائے





ہم بتا پائے نہ خود آپ ہی پہچان سکے
ساتھ رہ کر بھی نہ اپنا مجھے گردان سکے

تو کہ مجنوں کی طرح عاشق صادق ڈھونڈے
خاک صحرا کی کوئی آج کہاں چھان سکے

کج ادائی کا تری، تند مزاجی کا تری
لاکھ چاہا بھی مگر ہم نہ برا مان سکے

یوں کھلیں پھول، کہ کانٹوں کو جگہ ہی نہ ملے
کاش دنیا مرے جذبوں کی زباں جان سکے

آج پھر اے مرے شاہیں تری نیلامی ہے
کوئی شاید ترے احساس کو پہچان سکے





جہاں میں جی نہیں لگتا، کہو لت ہے جوانی میں
رکا ابر بہاراں ہے، کوئی لائے روانی میں

مرے دل میں دبی خوشبو، بکھرنے کو فضا ڈھونڈے
کبھی مچلے، کبھی سمٹے، مری گوہر فشانی میں

میں اُن کی اک ضرورت ہوں، وہ میری اک ضرورت ہیں
کوئی پردہ نہ ہو حائل مری ان کی نشانی میں

فسانے کا جو محور ہے، مری خوشیوں کا قاتل ہے
وہی اک نام غائب ہے مری ساری کہانی میں

مری خاطر بنایا ہے، تو کیوں مجھ سے چھپایا ہے
کوئی جذبہ ہے سنتے ہیں، لگا دے آگ پانی میں

تصور کی نئی دنیا خلش سی چھوڑ جاتی ہے
پٹ کر روز آ جاؤں اُسی دنیائے فانی میں

اکیلا تھا، اکیلا ہوں، اکیلا ہی رہوں شاید
سہارے پا لیے ٹوٹی کندوں کی کہانی میں

مرا دل خون روتا ہے چھپے اپنے خزانے پر
مبادا خاک ہو جائے حصارِ جسمِ فانی میں

حسین ارماں دبا ڈالے، عصائے عشقِ منزل سے
نہ پانا ایک منزل بھی عجب ہے زندگانی میں

نہ میرے مارنے پر بھی، فضا میں سنگِ باری ہے
جو دل شیشے کا رکھتے ہیں، رہیں مت شادمانی میں

دلِ شاہیں تڑپتا ہے تو یہ کہہ کر سہارا دوں
طلب کی جاودانی بھی، ہے زندوں کی نشانی میں





دل مضطرب نہ ہو تو، مناتا کوئی نہیں
 غیروں سے تب ہی روٹھ کے جاتا کوئی نہیں
 اپنوں کا ہر گلہ ہے بجا ہر سزا بجا
 ورنہ کسی کے ناز اٹھاتا کوئی نہیں
 مثلِ گلاب جامِ عقیدت چھلک پڑے
 تحفہ یونہی تو پھول کا لاتا کوئی نہیں
 چوٹیں درونِ قلب کی وحشت ابھار دیں
 عاقل کو ورغلا کے لڑاتا کوئی نہیں
 سائل کا سر جھکا ہے تو مجبور جانے
 یوں مانگنے کو ہاتھ اٹھاتا کوئی نہیں
 پاؤں نوائے خلق سے انجام کی خبر
 آکر عدم سے حال سناتا کوئی نہیں
 رکھتے ہیں کام اہلِ خرد اپنے کام سے
 سویا پڑا ہو شر تو، جگاتا کوئی نہیں

جنگ و جدل ہو اہل شرافت کے درمیاں
 کنیا فقیر کی تو جلاتا کوئی نہیں
 طوفانِ نوح پھر سے مچلنے کو ہے مگر
 کشتی پکارتی ہے تو آتا کوئی نہیں
 وہ گل ملے ہیں خاک میں نظروں کے سامنے
 اب نازِ حسن دل میں سماتا کوئی نہیں
 مٹتے نہیں ہیں مر کے بھی رشتے خلوص کے
 یونہی دیے لحد پہ جلاتا کوئی نہیں
 کانٹے بکھیرنے میں لٹا دے جو زندگی
 اُس کی لحد پہ پھول چڑھاتا کوئی نہیں
 آنکھیں بچھی تھیں جب میں ستارا تھا عرش کا
 جب آگیا زمیں پہ بلاتا کوئی نہیں
 اُن سے بھی ہم نے خوئے مروت کی داد لی
 کہتے ہیں جن کے دل میں سماتا کوئی نہیں
 لاکھوں میں ایک روح کے طاؤس میں بچے
 شاہیں کا دل ہر اک پہ تو آتا کوئی نہیں





جہنمِ غم سے گھبرا کر، ذرا باہر جو ہم نکلے
 جدھر جہان کا کسی دل میں، اسی میں غم ہی غم نکلے
 ہماری سادگی دیکھو، اسے سنگسار کرتے ہیں
 جو لے کر دشتِ نفرت میں محبت کا الم نکلے
 کرے شکوہ جو قسمت کا سدا ناکام رہتا ہے
 جواں جذبوں کے قدموں میں بچے لوح و قلم نکلے
 اگر ہمت کرے انساں تو ہر غم کا لے درماں
 پس غم غور سے دیکھے تو اپنا ہی ستم نکلے
 بہت آسانیاں ہوں گی، سدا پستی کی راہوں میں
 مگر راہِ بلندی میں ہمیشہ پیچ و خم نکلے
 بڑی امید رکھتے تھے، سبھی ماں باپ بچوں سے
 کریں روشن جو نام اُن کا، جہاں میں لعلِ کم نکلے
 یہاں بکھرے ہوئے لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا
 وہی منزل پہ جاتے ہیں جو سب مل کر بہم نکلے
 جو شاہیں دور سے دیکھا، بڑا انسان لگتا تھا
 ذرا نزدیک سے دیکھا تو مصنوعی بھرم نکلے





ہر کسی سے خفا خفا رہنا
دل کا اکثر بجھا بجھا رہنا

یہ بھی شاید ثمر ہے الفت کا
دل جہاں سے بھرا بھرا رہنا

کیا نہیں زندگی میں دیکھا ہے
شام کو کیا سحر کو کیا رہنا

تو ہی محور ہے اُس کا ہر دم
تو مرے ساتھ اے خدا رہنا

جن کی خاطر کہا وہ سن نہ سکے
کیا ہے اپنا غزل سرا رہنا

بد نصیبی ہے اہل محفل کی
لعل گدڑی میں ہی چھپا رہنا

اپنی حالت سے موند کر آنکھیں
منتظر معجزات کا رہنا

نت نئے ناگ غم کے ڈستے ہیں
پھر بھی جینے کا حوصلہ رہنا

ایک بے نام خوف سے دل کا
ہر بشر سے ڈرا ڈرا رہنا

کاٹتے ہیں جڑیں جو لوگ مری
اُن پہ سایہ کیے کھڑا رہنا

شاعری میں بہت ہی مشکل ہے
جذبہ دل کوئی چھپا رہنا

دل شاہیں تجھے ڈبو ہی نہ دے
بے سبب بے قرار سا رہنا





صحرا کی وسعتوں میں، اک سائباں نہیں ہے
 اتنے بڑے جہاں میں، اک رازداں نہیں ہے
 میری زباں تو چپ ہے، لیکن تجھے بتا دوں
 صدیوں میں مٹنے والی، یہ داستاں نہیں ہے
 بے مول بک رہا ہوں، تاریک سی گلی میں
 اہل نظر سے لیکن جوہر نہاں نہیں ہے
 تیرا عیاں ہو جلوہ، اور ضبط بھی ہو لازم
 کیا حوصلہ ہے جس کے لب پر فغاں نہیں ہے
 میرا جہاں سجا دے، جادو تری نظر کا
 بدلہ اسی عطا کا، سارا جہاں نہیں ہے
 جو بے ہنر ہیں اُن میں رتبے بٹے ہوئے ہیں
 اہل ہنر کا پُرساں کوئی اب یہاں نہیں ہے
 غم میں نہ ڈوب شایں، خوشیاں بھی دیکھ اپنی
 انساں نہیں جو دل پر، غم کا نشاں نہیں ہے





جہلت میں ہو کم ظرفی، کہیں جاؤ نہیں جاتی
نئے کپڑے پہن لینے سے کب آتی ہے چالاکی

حسین نظروں کا چادو ہے کہ مہکی ہے زباں اپنی
یہی شعلے اگلتی تھی، یہی ہے پھول برساتی

تمنا ڈھونڈ لیتی ہے، نئے امکاں، نئی راہیں
جوازِ زندگانی ہے اگر رہتی ہے یہ باقی

بشرِ ہمت اگر کر لے، رخِ طوفاں بدل ڈالے
حوادث سے تو گھبرانا ہے خود مرگِ مفا جاتی

وہی مسرور ہوتا ہے، ترے ہاتھوں جو پیتا ہے
جہاں مسرور کر ڈالوں، مجھے ایسی پلا ساتی

یہی اک نفسِ امارہ، جو سرکش ہو تو لے ڈوبے
اسے کر لے اگر بس میں تو نوری سے بڑھے خاکی

خرد جذبات کی حدت لیے جب سرخ ہو جائے
تپش ٹھنڈک سے کٹ جائے جو ہو آہن میں ناچاتی

یہی اُس کی گواہی ہے، خرد سے دور ہونے کی
جو عقل کل کہے خود کو نصیحت سے ہو جذباتی

نسیمِ عشقِ صحرا کو، گلستاں سے حسینِ کردے
تھی دل ہے جو الفت سے، اُسے دنیا نہیں بھاتی

یہی ہے شانِ مظلومی، سلے ہوں لب تو خوں بولے
سبے جو ظلم چپکے سے، وہ خود ہے ظلم کا ساتھی

یہاں دامِ مقدر سے، کسی کا بھاگنا کیا
گرے خود تیر پر پنچھی ملخ بھی مار دے ہاتھی

جو فطرت کے تقاضوں میں، خودی کو ڈھال لیتا ہے
حسینِ طرزِ ادا اس کی بنے دستورِ آفاقی

یہی شاہیں نے دیکھا ہے، جہانِ جبر میں آکر
بڑا چھوٹے کو دھمکائے مگر، تکتا رہے ساتھی





ایک رہتے نہیں حالات کبھی
دن بڑے ہیں تو بڑی رات کبھی

تم میں ہمت ہے تو حاصل کر لو
تخت ملتا نہیں خیرات کبھی

پیش خیمہ ہے یہ بربادی کا
جھوٹ سے سچ کو نہ ہو مات کبھی

قدر ہو گی نہ جہاں پھولوں کی
خیر کی ہو گی نہ برسات کبھی

شان والوں کو کہاں بھاتی ہے
اب مفلس کی بڑی بات کبھی





اپنے آپ میں گم ہیں یا سیلابی ہیں
اس گلشن کے سارے پنچھی فانی ہیں

پیار محبت، نفرت، غصہ، بے صبری
بس میں ہیں تو سب جذبے انسانی ہیں

پیار جگا دے، اُس گلشن کی ہر شے میں
جس گلشن میں تجھے بہاریں لانی ہیں

انسانوں سے پیار و تیرا ہے جن کا
وہ انسان فطرت کا دلبر جانی ہے

اوج کی جانب چلنے والے سوچ کے چل
ان راہوں میں سخت بلائیں آتی ہیں

تیرا دکھ شاہین، وہی سمجھے کہ جسے
اندھوں سے اپنی آنکھیں منوانی ہیں





مزاجِ کاتبِ لوح و قلم کیا کیا دکھاتا ہے
کبھی تو تخت دکھائے کبھی تختہ دکھاتا ہے

مسافر کے کئی خونخوار، راہوں سے گزرنے پر
زمانہ پھر کہیں جا کر رخِ زیبا دکھاتا ہے

کمالِ ساغرِ جم سے، کسے مرعوب کرتے ہو
”مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے“

مرا احوال مت پوچھو، نجانے کیا ہوا دل کو
جدھر بھی دیکھتا ہوں ایک ہی چہرہ دکھاتا ہے

نجانے رنگ کیا لائے، فریبِ رہبری اُس کا
جو رہزن ہے مگر لگتا ہے یوں رستہ دکھاتا ہے

جہاں رازِ قضا پوچھا، کبھی اپنے تنخیل سے
سمندر میں مجھے گرتا ہوا دریا دکھاتا ہے

پیامِ مرگ ہے شاہیں، ترا طوفاں سے گھبرانا
لبو کا جوشِ طوفانی تجھے زندہ دکھاتا ہے





رہے قابو تمنا پر، تو رنجوری نہیں ہوتی
کسی دل کی ہر اک خواہش، کبھی پوری نہیں ہوتی

سہارے آپ ہوں اپنے، جواں ہوں ہمتیں جن کی
انہیں معذور ہونے پر، بھی معذوری نہیں ہوتی

قربت حد سے بڑھ جانا بھی خطرے کی علامت ہے
تعلق میں توازن ہو تو، پھر دوری نہیں ہوتی

بہانے لاکھ مل جائیں، جو آنا بوجھ لگتا ہو
اگر آنے کی خواہش ہو، تو مجبوری نہیں ہوتی

جو رانجھا گیت گائے گا، تو کیدو شر اٹھائے گا
کسی رانجھے کی قسمت میں سدا چوری نہیں ہوتی

کرشماتِ محبت سے جو دل یکجا دھڑکتے ہوں
ہزاروں میل کی دوری انہیں دوری نہیں ہوتی

دلوں کو چھو نہیں سکتے دل بے سوز کے نغمے
کبھی کانغذ کے سورج سے فضا نوری نہیں ہوتی

کسی کی اک ادا بھائے، تو اُس کی آس بر آئے
کسی کے جاں لٹانے پر بھی منظوری نہیں ہوتی

ادا دل میں اترتی ہے، تو خلقت پیار کرتی ہے
کسی مشہور کی یونہی، تو مشہوری نہیں ہوتی





انداز کا اعجاز تری بات سجا دے
 ہر لفظ کی تاثیر نیا کیف جگا دے
 دیکھے اگر آکاش، کبھی روئے زمیں پر
 نظریں تری گلرنگ اداؤں پہ جما دے
 گلشن میں مہک اٹھنا، بڑی بات نہیں ہے
 گل وہ ہے جو صحرا کو بھی گلزار بنا دے
 یہ حسنِ بلا خیز، جوانی تو جوانی
 جذبوں کا بڑھاپے میں بھی طوفان اٹھا دے
 پردے میں رہا کر کہ ترے حسن کا جلوہ
 پھر مصر کے بازار کا منظر نہ دکھا دے
 اک اشک کبھی ایسی حسیں آنکھ سے چھلکا
 ڈرتا ہوں زمانے میں تلاطم نہ مچا دے
 وہ حسنِ ادا، حسنِ حیا، حسنِ نوا ہے
 چھو جائے کسی دل سے تو دیوانہ بنا دے
 چھن جائیں گل شوخ کی مستانہ ادائیں
 بھولے سے تری آنکھ سے گر آنکھ ملا دے

آلامِ شب و روز سے، مایوسِ دلوں میں
 جینے کا تری دید نیا جوش جگا دے
 مستی میں ترے، حسنِ ترنم کا بکھرنا
 اڑتے ہوئے پنچھی ترے قدموں میں گرا دے
 چھا جائے اگر دل پہ، کبھی دھوپِ الم کی
 ایسے میں تری یاد گھٹاؤں کی روا دے
 تخلیق ہو کچھ تیرے تصور کی حنا سے
 فنکار کے ہر نقش کو شاہکار بنا دے
 جڑ جائے کسی نام سے، گر نام تمہارا
 اُس نام کی توقیر ثریا سے ملا دے
 جس دل میں ترے پیار کی خوشبو کا گزر ہو
 اُس دل سے خزاں رت کے سبھی نقش مٹا دے
 اے کاش وہ اظہارِ محبت کی ادا سے
 شاہیں تری پرواز کو اک برق بنا دے





انسانوں کے جنگل میں تنہائی ہے
 دل پر اک بے تاب گھٹا منڈلائی ہے
 سب کے غم یکساں ہیں، پھر بھی اوروں سے
 دل کی باتیں کہنے میں رسوائی ہے
 اصلی حالت سب پر ظاہر ہے، پھر بھی
 خود کو انا کی چادر سی اوڑھائی ہے
 تو ہی تو مایوس نہیں اس دنیا میں
 کس نے حسبِ خواہش ہر شے پائی ہے
 اُس کے گھر تک آپہنچی تو روتا ہے
 جس نے سارے شہر میں آگ لگائی ہے

پہلے اُن آنکھوں میں ڈوبو پھر سوچو
اُس کی آنکھوں میں کتنی گہرائی ہے

خوشبو کا اک جھونکا ہر سو چھایا ہے
لگتا ہے پھر یاد کسی کی آئی ہے

رو لینے دو کچھ تو دل کا بوجھ ہٹے
کس مشکل سے یہ عادت اپنائی ہے

خوش رہنا ہر حال میں بہتر ہے شاہین
بات یہ کتنی بار تجھے سمجھائی ہے





کسی کے ناز اٹھانا، بھی اک عبادت ہے
 کسی سے خود کو بچانا، بھی اک عبادت ہے
 نوائے شعر و ترنم سے نوعِ انساں کے
 دلوں میں پیار جگانا بھی اک عبادت ہے
 اگر ہو اذنِ تکلم تو عرض ہے ماصح
 نظر سے جامِ پلانا بھی اک عبادت ہے
 فریبِ حسن سے بچنا، بتا رہا ہوں تجھے
 کسی کو راہ دکھانا بھی اک عبادت ہے
 جہاں ہو وصل کی امید، بلے شاہ کی طرح
 وہاں پہ ناچنا گانا بھی اک عبادت ہے
 رہِ وفا کے تقاضے پہ سوچنا کیسا
 وہاں تو خود کو لٹانا بھی اک عبادت ہے
 دلوں پہ غم کی گھٹائیں ٹھہر گئی ہوں جہاں
 انہیں تو خود پہ ہنسانا بھی اک عبادت ہے
 کہیں کسی کو ڈبونا بھی، کارِ احسن ہے
 کسی کو پار لگانا بھی اک عبادت ہے

جہاں پہ روٹھ کے جانے سے بات بنتی ہو
 وہاں پہ روٹھ کے جانا بھی اک عبادت ہے
 جہاں ٹھٹھر کے مرے جا رہی ہو روح بشر
 وہاں پہ خود کو جلانا بھی اک عبادت ہے
 کسے پڑی ہے مشقت وہاں کرے کہ جہاں
 کسی سے مانگ کے کھانا بھی اک عبادت ہے
 کسی کو نیند نہ آئے تو دلبری سے اُسے
 تھپک تھپک کے سلانا بھی اک عبادت ہے
 دلوں کو توڑ کے ہنسا، جہاں چلن ہو، وہاں
 کسی کا دل نہ دکھانا بھی اک عبادت ہے
 تمہارے در کی طرف لے چلے جو راہ مجھے
 وہاں تو ٹھوکریں کھانا بھی اک عبادت ہے
 ترا شکار ہے شاہیں اگر سلیتے سے
 کسی کو مار کے کھانا بھی اک عبادت ہے





دل کو اکثر، پیام آتا ہے
جیسے کوئی کہیں بلاتا ہے

اک ستارہ کہیں سرِ مژگاں
شام ہوتے ہی جھلملاتا ہے

آندھیوں کا ہے سلسلہ ہر سو
اک دیا پھر بھی جگمگاتا ہے

کوئی جھونکا قفس کے روزن سے
آرزو کے کنول کھلاتا ہے

جو کسی مول بک نہیں سکتا
جذبِ کامل خرید لاتا ہے

منتظر ہے ازل سے وہ بھی مگر
کوئی پردہ نہیں اٹھاتا ہے

جس کا ہر لفظ یاد ہے مجھ کو
تو کہانی وہی سناتا ہے

جس اجالے سے لوگ ڈرتے ہیں
وہ اُجالا مجھے لبھاتا ہے

جو مناظر نہاں ہیں فردا میں
مصحفِ دل مجھے دکھاتا ہے

سوز و مستی، بقدرِ ظرف ملے
عشقِ طوفاں جہاں اٹھاتا ہے

اپنا ہو کر بھی اے مکیں دل کے
درمیاں نامہ بر کو لاتا ہے

مسکراہٹِ دلیل کیفِ نہیں
یوں تو شاہیں بھی مسکراتا ہے





چشمِ تصورات میں گلشنِ سجا کے ہم
رہتے ہیں گلِ رخوں کے نشیلے حصار میں
دل میں بسی بہشتِ معطر کی خیر ہو
خداشہ کسی خزاں کا نہیں ہے بہار میں



تجھ سے نیچے بھی بہت لوگ ہیں، اوپر ہی نہ دیکھ
اپنے اطراف کی خوشیوں ہی سے دامن بھر لے
اور تڑپائے گا موسم کی شکایت کرنا
نہ بدل پائے تو دل اُس کے مطابق کر لے



ماں باپ کے سائے کو جو ٹھوکر سے اڑا دے
پھر سلیقہٗ راحت میں مسافر نہیں آتا
صدِ شکرِ طفیلی رہے ماں باپ کا دائم
اس قول کی زد میں کوئی شاعر نہیں آتا





سخاوت ہے یہ بھی جہاں پائے بھوکا
 کڑی بھوک میں کچھ کھلا دے جو اُس کو
 کہیں اُس سے بڑھ کر ہے وہ نیک انسان
 کمانا، پکانا سکھا دے جو اُس کو
 یہ کیسی بھلائی ہے تیری سخاوت
 کہ تیرا طفیلی بنا دے جو اُس کو



خدا کا نام کوئی لے، نہ لے، وہ پھر بھی اکبر ہے
 یہی آیاتِ قرآنی ہمیں ہیں جا بجا کہتیں
 حقوقِ خالقِ اکبر، بھلا کر جی لیں رحمت سے
 حقوقِ آدمیت بھول کر قومیں نہیں رہتیں





بند آنکھوں سے سڑک پار اگر کر جائیں
کیا مناسب ہے کہ انداز یہی دہرائیں
جرم کے بعد جو مہلت میں بھی تاب نہ ہوئے
جرم سے بڑھ کے کہیں پھر وہ سزا بھی پائیں



مدتوں بعد وہ ملا تو لگا
دل پہ ہو جائے نقش جو چہرا
وقت کی تندوتیز آندھی سے
دب تو سکتا ہے مٹ نہیں سکتا



تشتگی دیکھ تھوڑ میں اُس مسافر کی
جو منزلوں کے تعین پہ سوچتا کم ہے
ہزار میل مسافت کے بعد منزل پر
خبر ہو اس کو، کہ امرت نہیں وہاں سم ہے





وہ شخص جو ذیشان ہوا علم و ہنر سے
اس شخص سے بڑھ کر کوئی ذیشان نہیں ہے
بیٹی کے لیے زیورِ تعلیم سے بڑھ کر
اس دور میں باہل کا کوئی دان نہیں ہے



وقت جو زخم لگاتا ہے وہ سل سکتا ہے
جس کو پانے کی تمنا ہو وہ مل سکتا ہے
شرط ہے جوشِ نمو، خونِ جگر میں تیرے
پھول پت جھڑ کی ہواؤں میں بھی کھل سکتا ہے



ہے عشقِ بلندی کا ترا خام، اگر ہو
گرنے سے ہے بیزار سنبھلنے سے بھی بیزار
ہے رشکِ ستاروں کی چمک پر تجھے لیکن
چلنے سے بھی بیزار ہے، چلنے سے بھی بیزار



روشنی دیکھ، مگر کربِ مشقت بھی تو دیکھ
جس ستارے کی سرِ عرش مچی ہیں دھوئیں
کھکشاں جو بھی ہو رکھنا تو قدم یوں رکھنا
لوگ پلکوں سے ترے نقشِ قدم کو چومیں



یہاں جو کرسیوں پر بیٹھ جائیں
مناظر جو بھی ہوں، اُن کو لبھائیں
مگر جب کرسیاں، اُن کو گرائیں
لبوں پر روز و شب ہو کائیں کائیں



وقت کا کیا ہے یہ تو سرکتی سل ہوتا ہے
کس کو خبر کیا کس کا مستقبل ہوتا ہے
جو انسانوں کی صف میں شامل ہوتا ہے
احسن خلقت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے
رنگت، مذہب، نسل، علاقہ کوئی بھی ہو
ہر انسان کے سینے میں اک دل ہوتا ہے





آندھیوں میں جہاں، مغرور شجر گر جائیں
 سوچنا یہ ہے کہ محفوظ رہے تنہا کیوں
 کس کو ظالم کہے شاہیں، کسے مظلوم کہے
 باز بلبل سے خفا ہے کہ وہ بچ نکلی کیوں



فلمیں دیکھ ڈرامے دیکھ
 دھوتی، کوٹ، عمامے دیکھ
 سب کی حقیقت جان چکے تو
 پھر وحدت کے جامے دیکھ



ساری دنیا مل کر زور لگانے سے
 قاصر ہے گزرا لمحہ لوٹانے سے
 وقت کی قیمت جو قطرہ پہچان گیا
 نازاں ہو گا، وہ موتی بن جانے سے





وہ طوفانِ ابلغ، زب چمن ہے
رہا نام باقی گئی روح فن ہے
وہ اُردو جو حسنِ بیاں کا نشان تھی
وہ اپنے ہی گھر میں غریب الوطن ہے



کیا کسی ڈوبتی کشتی کو بچایا ہم نے
یا فقط شور مچایا لبِ دریا ہم نے
آئیے آج گریبان میں جھانکیں اپنے
کتنا پایا ہے گلستاں سے، دیا کیا ہم نے



کس نے کتنے دلوں کو دی ہے خوشی
کس نے کتنے دلوں کا خون کیا
زندگی سب گزار لیتے ہیں
دیکھنا یہ ہے کون کیسے جیا



کچھ چہروں میں ایسا جادو ہوتا ہے
جو دیکھے، وہ دل بے قابو ہوتا ہے
اُن سے مل کر جب کوئی سالم لوٹ آئے
دل کہتا ہے سچا سادھو ہوتا ہے



جیواور جینے دو

تنخیل کے ایوان کی محفل سجا کر
 مقابل مجاہد کے حاکم بٹھا کر
 کہا، جو بھی رکھا ہے دل میں چھپا کر
 کرو بوجھ ہلکا وہ سب کچھ سنا کر
 کسی پر نہ اب ہاتھ کوئی اٹھائے
 سنے دوسرے کی اور اپنی سنائے
 برستے ہیں آنکھوں سے جرأت کے شعلے
 مجاہد نے زخمِ جگر اپنے کھولے
 ترے دل سے جوشِ مسلمان نہ بولے
 کرے روحِ مسلم فنا ہو لے ہو لے
 تجھے زیبِ دیتی نہیں بادشاہی
 ہو اسلام کے تم یہ کیسے سپاہی
 مدارس کے بچے جو ٹھہرے ہیں بے گھر
 کرے گا کبھی ناز گلشنِ انہی پر
 یہ جذبات اُٹھیں گے تحریک بن کر
 ہٹا دیں گے دھرتی کے سینے کا پتھر
 ملے دستِ کمزور زنجیر ٹھہریں
 دے لوگ مختارِ تقدیر ٹھہریں

بڑے سب سے جسٹس پہ کر دی چڑھائی
 ستونِ صحافت پہ ٹھوکر لگائی
 ہوئے لاپتہ کتنی بہنوں کے بھائی
 کبھی جن کی کوئی خبر تک نہ آئی
 روا قوم کی بیٹیوں کی اڑا کر
 گھری فاحشائیں نکالیں بچا کر
 یہاں تیرے سائے میں کس کو اماں ہے
 ترا پاسہانی کا دعویٰ کہاں ہے
 عوامی حمایت کا تجھ کو گماں ہے
 ترے خام دعوؤں پہ ہنستا جہاں ہے
 وراثت ہے فاروق و حیدر کی چھینی
 مگر اُن سے سیکھی نہ باریک بینی
 کبھی تجھ کو ہندو بھی لگتے ہیں پیارے
 محبت سے چاہے بجھا دے شرارے
 بڑھے سوئے منجھدار، ڈھونڈے کنارے
 وہیں کے وہیں ہیں، مسائل تو سارے
 یہاں پر شرافت کہاں کچھ دلائے
 ہمیشہ ہی کمزور ذلت اٹھائے

جسے اکثریت نے حاکم بنایا
 اُسے قید کر کے چمن ہی چھڑایا
 نئی شہنشاہی کا پودا لگایا
 نہ پھل پھول پایا، نہ دیتا ہے سلیا
 مجھے جو پسند ہے وہ تجھ کو نہ بھائے
 جو تیری پسند ہے مرا دل جلائے
 یہود و نصاریٰ سے یاری ہے تیری
 تو غیروں سے مل کر کرے ہیرا پھیری
 تجھے راس آئی نہ میری دلیری
 ہواؤں سے ہے تیز پرواز میری
 مرے ہمنوا جان پر کھیلتے ہیں
 تبسم کنناں ہر الم جھیلتے ہیں
 نہ دنیا نہ دولت سے کچھ کام اُن کو
 ہے جنت کا کافی حسیں نام اُن کو
 یہی جتجو ہے صبح و شام اُن کو
 مرا مل گیا ہے یہ پیغام اُن کو
 زمانے سے سب بے حیائی مٹا دیں
 جہاں ہے برائی، وہیں پر دبا دیں

کبھی ہم مجاہد تھے تیری نظر میں
 چمکتے ستارے تھے نورِ سحر میں
 ادھر روس پلٹا، گیا اپنے گھر میں
 ادھر آئی تیزی ہمارے ہنر میں
 ارادہ تھا افغان مثالی بنا کر
 دکھا دیں گے دورِ خلافت جگا کر
 یہود و نصاریٰ جو دشمن ہیں میرے
 پروں میں چھپائیں انہیں یار تیرے
 کہے جن کو ساری خدائی لٹیرے
 بنا دیں انہیں وہ ہمارے وڈیرے
 رہے یاد تجھ کو، تو اُن کو بتانا
 وہ رسوا ہوں جن کی ہو فطرت ستانا
 بھی خواہ یورپ، نہ امریکا تیرے
 تجھے دیں گے چین و عرب ہی سویرے
 مگر تو لگاتا ہے یورپ کے پھیرے
 سمجھ لے وہ ہیں، یار تیرے نہ میرے
 یہی سچ ہے جن کی جبلت بری ہو
 بھلی اُن کی یاری، نہ نفرت بھلی ہو

ادھر آ کے افغان کا گھر جلایا
 ادھر جا کے بغداد دوزخ بنایا
 جو چاہے مسلمان کا کر دے صفایا
 اُسے اپنے کاندھوں پہ تو نے بٹھایا
 رہے یاد جتنا دباؤ گے ہم کو
 تو پہلے سے مضبوط پاؤ گے ہم کو
 مجھے تم جو بخشو گے بے آب صحرا
 تو دوں گا جواباً میں زم زم کا تحفہ
 جہاں پر بہاؤ گے تم خون میرا
 میں کر دوں گا تاریکیوں میں سویرا
 یہ شیوہ ہے اہل ذبح کا پرانا
 کہ خود لٹ کے، عالم پہ تحفے لٹانا
 عراق اور افغان پہ بجلی گرا دی
 مظالم سے دھرتی ہے دوزخ بنا دی
 وہاں میں نے شعلوں کو ہے یوں ہوا دی
 کہ جل کر ہمیں گے ترے اتحادی
 بھروسے پہ غیروں کے تو گر تے گا
 ذرا سوچ لے پھر ترا کیا بنے گا

تجھے کس طرح بخش دے گا زمانہ
 مدارس کو تو نے بنایا نشانہ
 ترے دل کو بھاتا ہے گانا بجانا
 چنگیں اڑانا، اکھڑے سجانا
 کلبوں میں رش ہو مساجد ہوں خالی
 لگے گی تجھے پھر ہی دنیا مثالی
 جو مغرب زدہ لوگ گانے سنائیں
 بھلا روح مشرق میں کیسے سمائیں
 جو سُرِ تالِ روحوں میں مستی جگائیں
 وہ سائے میں تیرے پنپنے نہ پائیں
 تری ناشناسی ہی کچھ کام آئی
 چلو اس بہانے دہلی اک بُرائی
 ہے اندھیر تیری یہ فرمانروائی
 جدھر دیکھیے ناچتی ہے بُرائی
 ہے آساں بنا دی رہ بے حیائی
 وبا کییلوں کی ہے ایسے چلائی
 کہ چھ سالہ بچوں کو بالغ بنا دو
 فرشتوں کے دل میں بھی شیطان جگا دو

وفاؤں کی یوں قوم کو ہے جزا دی
 کہ قرضوں کی لت سے حمیت سلا دی
 انہی سے مدد لی، انہی کو کھلا دی
 غریبوں پہ قرضوں کی ہے سل گرا دی
 ملے قرض جتنا، وڈیرے اڑائیں
 سہیں اُس کی کمزور ہی کیوں سزائیں
 اطاعت میں اپنی زباں تک بھلا دے
 زبانوں کے چکر میں بچے پھنسا دے
 جواں عزم بچوں کے جوہر سلا دے
 بظاہر انہیں پھولنے کی دعا دے
 کئی طرزِ تعلیم رائج کیے ہیں
 دلوں پر غریبوں کے خنجر چلے ہیں
 یہ کرسی بھی چالوں سے تو نے ہے پائی
 تجھے کوئی دے بھی، تو کیا دے دہائی
 نہ خوفِ خدا ہے، نہ دردِ خدائی
 مسلمان کو مارے تو بن کر قصائی
 تجھے جو بھی روکے وہ دہشت پسند ہے
 مسلمان کا دشمن ترا بھائی بند ہے

یہاں خوف تھانے کچھری سے آئے
 کہاں جا کے مظلوم دکھڑا سنائے
 وڈیرا ضوابط کی دھجیاں اڑائے
 دے کو یہ قانون تیرا دبائے
 تجھے کیا خبر، تو ہے باغ جتاں میں
 سماں کیا ہے گاؤں کے کچے مکاں میں
 تو چاہے کہ تہذیب کا ہو صفایا
 ترے دل پہ مغرب کا جادو ہے چھایا
 نہیں ورثہ اپنے بزرگوں کا پایا
 پرانے تمدن نے تجھ کو رجھایا
 جو تہذیب اپنی سمجھتا نہیں ہے
 اٹھا کر کبھی سر وہ چلتا نہیں ہے
 کیا تو نے عورت کو مردوں سے بالا
 حقیقت میں خود اُس کو مشکل میں ڈالا
 اندھیرا دیا، تو نے کہہ کر اجالا
 روایاتِ مسلم کو دیکھا نہ بھالا
 عیاشی کو تو نے یوں آساں بنایا
 کہ چھوٹے بڑے کو موبائل تھمایا

تجھے پاس اسلاف کا کچھ نہیں ہے
 ترا نسب سارے جہاں سے حسین ہے
 کہیں پر ہے طارق، تو خالد کہیں ہے
 مگر تیری غیروں کے در پر جبین ہے
 تجھے زیب دیتی نہیں جی حضوری
 تری اُس غیروں سے ہو گی نہ پوری
 یہ سودی معیشت مجھے ڈس رہی ہے
 شلجے میں مسلم کو یہ کس رہی ہے
 خدائی مری قوم پر ہنس رہی ہے
 جو پا کر وسائل بھی بے بس رہی ہے
 کہاں جا کے روئیں کسے دکھ سنائیں
 جو دینے پہ اپنے تلے ہوں سزائیں
 جو اپنے ہیں، پہچان اُن کو جہاں میں
 سبھی راحتیں ہیں خدا کی اماں میں
 ملا اپنی آواز میری اذال میں
 تجھے کیف حاصل ہو تیغ و سناں میں
 زمانے میں مسلم کی دھوئیں مچا دے
 جو رستے میں حاکل ہو اُس کو اڑا دے

ہوا ایک گاؤں ہے عالم یہ سارا
 ہوا اللہ والوں کا مشکل گزارہ
 جو غیروں نے چھوڑا، تو اپنوں نے مارا
 مگر ان کو کافی ہے رب کا سہارا
 یقیناً میں سچا ہوں، جیتوں گا بازی
 کہے گی یہ دنیا سدا مجھ کو غازی
 زمانے کی رنگینیاں دل دکھائیں
 جو انساں کو غافل خدا سے بنائیں
 اگر دل میں ہوں مہ رخوں کی ادائیں
 کہاں نورِ دیں کے اجالے سمائیں
 یہ عیاشیاں سب مٹا کر رہوں گا
 خدائی کو خالق کے تابع کروں گا
 یہاں چوری ڈاکے خدا کی دھائی
 ہے رشوت سفارش کی فرمانروائی
 غریبوں کی جیبوں کی کرنا صفائی
 ترے ساتھیوں نے ہے عادت بنائی
 امیروں کو حوریں شراہیں ہیں وافر
 غریبوں کا عزت سے جینا ہے دوبھر

یہاں میرے خونِ جگر کی حنا سے
 مسلمان شناسا ہے رسمِ وفا سے
 مچلتے ہیں دل، اب بھی میری صدا سے
 نہیں خوف تیری سزا و جزا سے
 مجھے تیری دنیا کا کچھ غم نہیں ہے
 خدا کا سہارا ہی کچھ کم نہیں ہے
 جو راہِ خدا میں سبھی کچھ لٹائیں
 انہی کے لیے ہیں خدا کی عطائیں
 وہی لوگ محشر میں فردوس پائیں
 جو قرآن و سنت پہ خود کو مٹائیں
 نظامِ شریعت میں سب کی بقا ہے
 اگر ہو نہ ایسا، تو سب کچھ فنا ہے
 برائی کو طاقت سے رکھ دوں مٹا کر
 میں چھوڑوں گا سب کو مسلمان بنا کر
 دکھا دوں گا دورِ خلافت میں لا کر
 زمانے کو رکھ دوں گا ورنہ جلا کر
 دیا رب کا کھائیں، نہ سر کو جھکائیں
 بجا ایسے لوگوں پہ ہیں سب سزائیں

مسلمان کے کوئی مقابل نہ آئے
 اگر اس کو اپنوں کا خنجر نہ کھائے
 زمانے سے باطل کی رسمیں مٹائے
 مگر اتفاق اس کے دل کو نہ بھائے
 مسلمان نہ جب تک بیک دل چلیں گے
 تو ذلت کے غاروں میں یونہی رہیں گے
 مرے ساتھ مل جا ارے بھولے بھالے
 تو دوزخ کی آتش سے خود کو بچالے
 اگر تو مرے ساتھ کاندھا ملا لے
 تو باطل کو پڑ جائیں گے جاں کے لالے
 پڑی اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹا دے
 مرے ساتھ مل کر یہ کافر مٹا دے

جوابِ حاکم

سبھی بات سن لی، تو حاکم یوں بولا
 کہے مجھ کو سادہ مگر خود ہے بھولا
 زمانے کی میزاں میں خود کو نہ تو لا
 ترے دل کا عقدہ کسی نے نہ کھولا
 ذرا کھول آنکھیں ذرا غور کر لے
 مدینے کے باغ ہنر سے ثمر لے
 کئی سال پہلے نبوت تھی پائی
 کہاں بدر سے پہلے تلوار اٹھائی
 ہمیشہ خدا کے لیے کی لڑائی
 جہاں جیت پائی، تو رحمت لٹائی
 کبھی بے گناہوں کو جھڑکا نہ مارا
 ہمیشہ دیا ذمیوں کو سہارا
 یہ مانا کہ مسلم جہاں میں حزیں ہے
 یہی شاد ہو گا یہ مجھ کو یقین ہے
 مسلمان کی تہذیب زیب زیں ہے
 جو چھپ کر کرے وار مسلم نہیں ہے
 عذابی، فساد ی نہیں ہے مسلمان
 یہی صوتِ خلقت یہی روحِ قرآن

بہادر ہو کمزور تو مان جائے
 جہاں تک ہو جلدی لڑائی مٹائے
 سنبھل کر وہ خود کو منظم بنائے
 نئی شان سے پھر وہ میدان سجائے
 یہی اہل دانش کا شیوہ رہا ہے
 مگر تیرا جینا عذابِ خدا ہے
 رہے کفر و باطل بھی دنیا میں باقی
 یہی ہے ازل سے مشیتِ خدا کی
 کسی سے شکایت اگر ہو ذرا سی
 لگا دے تو فتویٰ ہے شیطان کا ساتھی
 مخالف کی باتوں پہ جو ہاتھ اٹھائے
 حقیقت میں ہار اپنی خود مان جائے
 جو انسان ستائے گا خلقِ خدا کو
 بنا دے سمومی وہ بادِ صبا کو
 کرے کیا خدا اُس کی حمد و ثنا کو
 یقیناً وہ رسوا ہو روزِ جزا کو
 یقین ہے مرا اُس کو جنت ملے گی
 جسے دل سے مخلوق اچھا کہے گی

ابھی تو قرونِ حجر میں پھنسا ہے
 بشر کا تقاضا مگر اب جدا ہے
 مسلمان کی مضمحل اسی میں بقا ہے
 کہ سمجھے زمانہ کدھر جا رہا ہے
 خدارا کرو رحمِ نوعِ بشر پر
 بھروسا کرو میری فکر و نظر پر
 نہیں اٹھ کے جھولے سے کرسی پہ آیا
 اطاعت، ریاضت میں خود کو کھپایا
 ٹریننگ نے، جنگوں میں جینا سکھایا
 جگر کا لہو دے کے گلشن بچایا
 اسی کے لیے ہے مرا مرنا جینا
 لگے پار اہل وطن کا سفینہ
 اڈاں میں نے کعبے میں جا کر سنائی
 فضاؤں میں روحِ بلائی جگائی
 ہوئی کملی والے کے در تک رسائی
 قسم واں پہ امت جگانے کی کھائی
 یہی ہے جہاد اب، کہ امت جگا دیں
 اٹھا کر اسے، رشکِ عالم بنا دیں

زمانے کے انداز بدلے ہوئے ہیں
 مگر ہم چٹانوں میں الجھے ہوئے ہیں
 خلاؤں کے غاروں میں کھوئے ہوئے ہیں
 بلندی کی پرواز بھولے ہوئے ہیں
 کسی سے نہیں کم یہ شاہیں ہمارے
 مگر ان کو الجھائیں تیرے اشارے
 اُسی کو ملی ہے جہاں میں بڑائی
 ہوئی جس سے نوع بشر کی بھلائی
 یہی ہے عبادت یہی ہے کمانی
 یہی ہے زمانے کی مشکل کشائی
 کہ انسان کو پاؤں پہ چلنا سکھا دو
 زمانے کے دھارے میں آگے بڑھا دو
 سمجھ میں تری کیوں یہ آتا نہیں ہے
 فسادِ خدا کو بھی بھاتا نہیں ہے
 اگر کوئی دیں کو مٹاتا نہیں ہے
 عبادت پہ قدغن لگاتا نہیں ہے
 وہاں لڑنا مرنا، عبادت نہیں ہے
 جسے حسنِ دانش ملے وہ حسیں ہے

نہیں مردِ میدان جو دشمن مٹائے
 جو دل جیت جائے، وہی تاج پائے
 ثقافت، معیشت میں جو سر اٹھائے
 وہی رنگ اپنا دلوں پر جمائے
 اگر ساتھ دوراں کے چلتی نہیں ہے
 کوئی قوم دنیا میں پھلتی نہیں ہے
 کہاں تو نے انغاں مثالی بنایا؟
 وہاں کی مثالوں نے عالم رالیا
 وہاں جبر کا ایسا سکھ چلایا
 کرے علم و تہذیب کا جو صفایا
 ہزاروں برس پیچھے انساں جائے
 تو پھر وہ کہیں تیرے دل میں سمائے
 جو وحشت سے انساں کو انساں بنائیں
 وہ انساں کی فطرت سمجھ ہی نہ پائیں
 کہیں ہو نہ ڈاڑھی تو دینا سزائیں
 کہیں جبر کر کے نمازیں پڑھائیں
 جو انساں کے ڈر سے خدا کو جھکے گا
 ذرا سوچ! وہ سر، خدا کیا کرے گا!

فرائض کی پُرسش ہے منصبِ خدا کا
 نہیں زیب دیتا یہ انساں کو عہدہ
 بھلا جانچنے کا یہی ہے تقاضا
 کہ بندوں کے حق میں وہ بندہ ہے کیسا
 جو کرتا ہے محشر میں بھرنے دے اُس کو
 خدا کا جو ہے کام کرنے دے اُس کو
 کرو یاد مرغانِ گلشن کی آہیں
 جو پاتے ہی موقع کہیں بھاگ جائیں
 جہاز اپنے صحنِ چمن سے اڑائیں
 تو غیروں کے گھر جا کے پائیں پناہیں
 نہیں تھے وہ دشمنِ زمیں کے، نہ دیں کے
 تمہاری گھٹن سے وہ لیکن حزیں تھے
 دکھا اپنے حسنِ عمل سے وہ راہیں
 تجھے دیکھ تیرے خدا کو بھی چاہیں
 چلا ایسی خوش کن سہانی ہوائیں
 کہ گلشن کے برگ و ثمر جھوم جائیں
 کریں خونِ دل سے یوں تعمیرِ اس کی
 کہ روشن رہے صبحِ تقدیرِ اس کی

کہے تُو، غریب آج مجھ سے خفا ہیں
 مگر اہل دانش مرے ہمنوا ہیں
 ازل سے ہی انساں کی سوچیں جدا ہیں
 خدا سے بھی اکثر تو کرتے گلہ ہیں
 فرشتہ بھی لا کر مری جا، بٹھا دو
 کئی لوگ چینیں گے اس کو ہٹا دو
 کہا تو نے جسٹس کو میں نے ہٹایا
 حقیقت کا ادراک تو نے نہ پایا
 ہے تقویم عالم نے اب تک دکھایا؟
 کہ قاضی نے حاکم سے منصب چھڑایا؟
 گھرے ضابطہ ساز جب ضابطوں میں
 تو ممکن ہے ترمیم سب ضابطوں میں
 نظامِ عدالت جو سلجھا نہ پائیں
 نظامِ حکومت سے پیچے لڑائیں
 جو گاڑی کو پٹری سے نیچے گرائیں
 انہیں اپنی آنکھوں پہ کیسے بٹھائیں
 میں جو کر رہا ہوں بھلا کر رہا ہوں
 حق پاسبانی ادا کر رہا ہوں

یہاں کچھ کی عادت ہے رنجور رہنا
 سنگھی دوسروں کو، دکھی خود کو کہنا
 پڑے گا عذاب اُن کو اس غم کا سہنا
 نہیں جن کی قسمت قناعت کا گہنا
 کبھی ڈوبتی ناؤ جس نے نہ دیکھی
 اُسے چلتی کشتی کی کیا قدر ہو گی
 کئی لوگ محنت سے قسمت بنائیں
 کریں کام کثیا سے محلوں میں آئیں
 کئی بیٹھے بیٹھے خدا کو بلائیں
 خدا اُن کے کس کام کی دے جزائیں
 چلے گا جو، منزل پہ جائے گا اک دن
 مرادوں کی راحت بھی پائے گا اک دن
 چراغِ الہ دیں نہیں پاس میرے
 کہ پل میں مٹا دوں سبھی کے اندھیرے
 کرے جو مشقت وہ دن اپنے پھیرے
 یقیناً مقدر ہوں اُس کا سویرے
 جہاں تک ہے ممکن بھلا کر رہا ہوں
 مگر تیرے شر سے بہت ڈر رہا ہوں

کہیں بھولے بھالوں کو چکر میں لا کر
 تصور میں جنت کے جلوے دکھا کر
 تماشا کرے اُن کو خود کش بنا کر
 مری پاک دھرتی کو رکھ دے جلا کر
 حقیقت میں امن و محبت کے دیں سے
 دلائل تو لڑنے کے ڈھونڈے کہیں سے
 جدھر دیکھیے خونِ مسلم ہے ارزاں
 یہی زد میں آئے جہاں بھی ہو طوفاں
 نہ پھل پھول لائے کبھی نخلِ ارماں
 پڑھا جا رہا ہے، صبح و شام قرآن
 مگر اِس کا دل پر اثر کچھ نہیں ہے
 یہی ہے سبب آج مسلم حزیں ہے
 زمانے کی کروٹ سمجھتا نہیں ہے
 تبھی اِس کو اعزاز ملتا نہیں ہے
 نئے کارواں میں جو چلتا نہیں ہے
 کبھی ٹھوکروں سے سنبھلتا نہیں ہے
 اگر اے مسلمان، تو ساکت نہیں ہے
 تو لاریب تو ہی جہاں کا امیں ہے

مدارس مساجد جو ضرار بن کر
 سمجھنے لگیں خود کو دنیا کے رہبر
 کریں اہل قرآن کا جینا بھی دو بھر
 انہیں چھوڑ دینا خطا ہے سراسر
 انہیں رسم امن و محبت سکھانا
 زمانے کے دھارے میں لازم ہے لانا
 زمانے کے ہاتھ کی ہر سوندا ہے
 وہی شان پاتا ہے، جو جاگتا ہے
 ہواؤں کی زد میں مرا قافلہ ہے
 یہی التجا ہے، خدا سے دعا ہے
 مرا درد اُمت کے دل میں جگا دے
 سجا کر اسے، رشکِ عالم بنا دے
 ذرا غور کر لیں تو سب پر عیاں ہیں
 کہاں خوبیاں ہیں کہاں خامیاں ہیں
 ہے کیا بات اُن میں جو رشکِ زماں ہیں
 زمانے کے کنبے میں مسلم کہاں ہیں
 وہ علم و ہنر میں معیشت میں آگے
 مگر ہم حقیقت سے پھرتے ہیں بھاگے

انھیں پہلے خود کو یوں مضبوط کر لیں
 زمانے کی خوشیوں سے دامن کو بھر لیں
 گھرے گھپ اندھیروں میں ہم سے سحر لیں
 لڑیں بعد میں، پہلے تیغ و سپر لیں
 اگر پھول اپنے چمن کے حزیں ہوں
 تو کیا تیرے دستور زیب زمیں ہوں
 ترے لعل گھر بھر کی پونجی لٹا کر
 ترستے ہیں، بس جائیں یورپ میں جا کر
 یہاں خوش نہیں تھے جو تنکا اٹھا کر
 وہاں جا کے خوش ہوں وہ جھاڑو لگا کر
 یہ خطہ جو سارے جہاں سے حسین ہے
 ذرا سوچ، راحت یہاں کیوں نہیں ہے
 یہاں اب نہیں صرف طاقت کی ریتیں
 کریں جو مسخر دلوں کو وہ جیتیں
 اگر اپنے دن رات فاقوں میں بیتیں
 سکوں دل کو دیں کیا مصلے مستیتیں
 میاں، پہلے گھر اپنا خوشحال کر لے
 زمانے کی اصلاح کی پھر خبر لے

جو دعویٰ کرے پل میں سب کچھ سجائے
 وہ احمق ہے یا پھر جہاں کو بنائے
 وہی جانتا ہے جو گاڑی چلائے
 حادث کی لہروں سے کیسے بچائے
 مسافر جو بیٹھے ہوئے غل مچائیں
 نہیں جانتے کتنی مشکل ہیں راہیں
 خدارا مری بات دل میں بٹھالے
 سلا نفرتیں اور محبت جگا لے
 تو اپنے لیے ہوش کی کچھ دوا لے
 زمانے کے دھارے میں خود کو ملا لے
 اگر تو علاج اپنا خود کر نہ پایا
 تو دنیا کا ہر سکھ ہے تجھ سے پرایا
 جو رشوت، سفارش، گرانی بڑھائیں
 انہیں دے رہا ہوں پکڑ کر سزائیں
 سزائیں ضمیر بشر کیا جگائیں
 اگر لوگ مجرم کو ہیرو بنائیں
 جسے دل سے سنسار عزت نہ دے گا
 وہ قانون کیسے حفاظت کرے گا

مسائل ہر انساں کے پیچھے پڑے ہیں
 کسی کے ہیں چھوٹے، کسی کے بڑے ہیں
 جو مشکل سے لرزاں ہیں، سہے کھڑے ہیں
 سبھی امتحان اُن کو لگتے کڑے ہیں
 وتیرہ یہی ہے جواں ہمتوں کا
 کہ حل ڈھونڈ لیتے ہیں سب مشکلوں کا
 ثقافت کا اپنی گلا تو دبائے
 تجھے اچھا فنکار ہرگز نہ بھائے
 ترے دل میں کھلے، جو دل مسکرائے
 چلے بس تو مردوں کو پردہ کرائے
 جو غیروں کی فلمیں ڈرامے نکلیں گے
 کہاں وہ تری نیک باتیں سنیں گے
 جواں خون مانگے مچلنے کا سماں
 انہیں علم و فن کے میسر ہوں میداں
 دبانے سے حسرت میں ڈھل جائیں ارماں
 گھٹاؤں کے خم سے مقید ہوں طوفاں
 جواں دل جو الفت کی لو سے کھلیں گے
 بلندی زمانے سے خود چھین لیں گے

نہیں کھاتے جوہر گھٹن کی فضا میں
 نہ شوخی رہے جب گلوں کی ادا میں
 رہے رنگ و خوشبو، نہ برگِ حنا میں
 کہاں کیف و مستی ہو رسمِ وفا میں
 جو انساں کی فطرت سے اغماز برتیں
 وہ ہر دم حقیقی مسرت کو ترسیں
 کہے تو کہ عورت کو گھر میں بٹھا دوں
 میں خود آدھا حصہ اپانج بنا دوں
 نہیں جرم جس کا، اُسے کیوں سزا دوں
 زمانے کی آ، تجھ کو صورت دکھا دوں
 جہاں مرد و عورت اکٹھے بڑھے ہیں
 وہی لوگ رفعت کے زینے چڑھے ہیں
 نہیں بوجھ عورت، عمل سے بتا دو
 اسے اپنے پاؤں پہ چلنا سکھا دو
 رہے غم سے آزاد، ایسی فضا دو
 دلِ مرد سے بھاری پتھر ہٹا دو
 مذاہب بھلائی کی خاطر ہیں آئے
 مگر تیرے جیسوں نے الجھن بنائے

نہیں درد تیرے جگر میں کسی کا
 فقط ضد پہ اڑنا ہی تو نے ہے سیکھا
 اگر تجھ کو امت کے غم کا ہے دعویٰ
 کبھی بیٹھ کر سوچ لینا ذرا سا
 کسے تو نے نقصان پہنچا دیا ہے
 لٹایا ہے کیا کچھ، تو کیا پا لیا ہے
 جو استاد کی دل سے عزت کرے گا
 وہی علم و حکمت سے دامن بھرے گا
 دعائیں جو ماں باپ کے دل سے لے گا
 یقیناً مقام اُس کو اونچا ملے گا
 دلوں میں جو حاکم کی عزت جگائے
 وہی قوم دنیا میں پھل پھول پائے
 سمندر سے موتی وہی ڈھونڈ لائے
 جو پہلے غواصی کی تعلیم پائے
 جو جذبوں کی رو میں سدا بہتا جائے
 بلا سوچے سمجھے بڑھے جاں گنوائے
 خدا بھی کرے گا اُسی کی بھلائی
 جسے آگئی، اپنی مشکل کشائی

کہے تو کہ ہندو سے لڑتے ہی جائیں
 وسائل سبھی اسلحے پر لٹائیں
 اگر ہاتھ وہ دوستی کا بڑھائیں
 تو ہم پر بھی لازم ہے یاری نبھائیں
 جو لڑنا ہی ٹھہرا، تو آگے لڑوں گا
 نہ پیچھے ہٹا ہوں نہ پیچھے ہٹوں گا
 پڑوسی ہو کافر یا مومن تمہارا
 رہو دوستی سے کہے دیں ہمارا
 بنیں گے جو اک دوسرے کا سہارا
 تو جیون میں آساں ہو سب کا گزارا
 خدا روشنی دے تمہاری نظر کو
 جیو اور جینے دو نوع بشر کو
 بدوں کو مٹانا نہیں شانِ مسلم
 عمل سے رجحانا ہے پہچانِ مسلم
 گھروندے جلانا نہیں آئِ مسلم
 زمیں کو سجانا ہے ایمانِ مسلم
 ذرا سوچ تو کیا تھا کیا ہو گیا ہے
 کہاں تیرا فکر و عمل کھو گیا ہے

یہاں صوفیا نے خزانے لٹائے
 جنہیں تو نے چھوڑا تو غیروں نے پائے
 حقوق العباد آج ہم نے بھلائے
 تبھی ہم سے نالاں ہیں رحمت کے سائے
 عبادت ہماری! خدا کیا کرے گا!
 اگر ہم سے سنسار نالاں رہے گا
 کہا تو نے امریکیوں کو برا ہے
 کیا اُن کا دعویٰ سنا ان سنا ہے
 اگر اُن کا سب کچھ خطا ہی خطا ہے
 تو پھر کیوں مدد اُن کی کرتا خدا ہے
 یہی سچ ہے وہ آج دنیا پہ چھائے
 مگر تیرے دیں سے ہیں جلوے چرائے
 جسے تو نے چھوڑا انہوں نے سنبھالا
 وہ احقر ہوئے آج دنیا میں بالا
 مزاجوں کو علم و ہنر میں جو ڈھالا
 تو فطرت نے بھی اُن کو بخشا اجالا
 کسی کو یونہی شان ملتی نہیں ہے
 وہ اپناؤ جو بات اُس میں حسیں ہے

سمجھ میں تری کیوں یہ آتا نہیں ہے
 نہیں دیں سے انسان، انساں سے دیں ہے
 جہاں نوع انساں کا جیون حسیں ہے
 خدا کی عنایت برستی وہیں ہے
 زمیں کو جو جنت بنانے سے روکے
 تو سمجھو شعور اس کا دیتا ہے دھوکے
 مجھے تُو سزا دے گا میری وفا پر
 میں قربان جاؤں تری اس ادا پر
 نہیں کوئی انسان قادر قضا پر
 بھروسا ہے بس مجھ کو اپنے خدا پر
 مجھے اُس کے بندوں کی خوشیاں ہیں پیاری
 جنہیں آج چمٹا تو بن کر پیاری
 کہا تو نے مجھ کو نہیں قوم پیاری
 خدا جانتا ہے مری عمر ساری
 اسی کے لیے لڑتے لڑتے گزاری
 دل و جاں کی راحت اسی پر ہے واری
 جو نالاں ہیں مجھ سے سمجھتے نہیں ہیں
 مری جا پہ خود کو وہ رکھتے نہیں ہیں

تمنا سے کوئی مبرا نہیں ہے
 کھلونوں سے دل ہے کہ بھرتا نہیں ہے
 جو مل جائے وہ یاد رہتا نہیں ہے
 یہی سوچتا ہے کہ اب کیا نہیں ہے
 کرے شکر اُس پر جسے جو ملا ہے
 اسی میں دلوں کے سکوں کی بقا ہے
 کہا تو نے گانا بجانا بُرا ہے
 یہ پیروں کو ولیوں کو بھاتا رہا ہے
 دباتا نہیں میں، جو دل کی صدا ہے
 کرے دل معطر سریلی نوا ہے
 محبت کے نغمے اگر تو بھی سنتا
 یقیناً یہ نفرت کی راہیں نہ چنتا
 کہے تو کہ کھیلوں کا کلچر مٹا دوں
 پکڑ کر مساجد میں سب کو بٹھا دوں
 کھلا کر انہیں حلوے، توندیں بڑھا دوں
 نہیں یوں مناسب، تجھے میں بتا دوں
 عیاں اس گھڑی سب پہ ہے یہ حقیقت
 جھلکتی ہے کھیلوں سے قوموں کی رفعت

وہی لوگ دنیا میں آگے بڑھیں گے
 جو دنیا و دیں کو ملا کر چلیں گے
 جواں، بوڑھے، بچے جو کھیلنا کریں گے
 یقیناً وہ خوشیوں سے دامن بھریں گے
 سجائے گی جو قوم کھیلوں کے میداں
 رہیں گے سدا ہسپتال اُس کے سنسناں
 ہو جیون کا مقصد، اگر دیں کی نصرت
 اسی رہ میں ہو روز و شب کی ریاضت
 جلے خود مگر دے، دلوں کو حرارت
 تو ہے کھانا پینا بھی اُس کا عبادت
 اذانِ مجاہد ہے ملا سے بڑھ کر
 کہے حق! جو باطل کے سینے پہ چڑھ کر
 اگر سوئپ دوں میں تجھے حکمرانی
 ملے فرقہ بندی کو دولت کا پانی
 رہے گی نہ امن و اماں کی نشانی
 سکے لگے گی یہاں زندگانی
 تو فرقوں میں نفرت کو ایسے ہوا دے
 کہ مسلم کو مسلم کا دشمن بنا دے

مرمت نہ ہو، جن سے ٹوٹی بھی گھر کی
 کریں بات دنیا کے عیب و ہنر کی
 یہی تو ہے پہچان کوِ نظر کی
 خطا جس کی بھی ہو حکومت کے سر کی
 میں جتنا سمجھتا ہوں دنیا کے دھارے
 نہیں جانتے تم، نہ ساتھی تمہارے
 جو رسموں رواجوں کے جھوٹی انا کے
 اسیر آپ ہوں، اپنی قیدیں بنا کے
 جو شادی بیاہوں پہ قرضے اٹھا کے
 زکوٰتوں کے طالب ہوں، پتلے خطا کے
 بڑھا کر جو چادر سے، پاؤں پہارے
 ہمیشہ مقدر ہوں اُس کا خسارے
 مسلمان جو دنیا میں رسوا ہوا ہے
 وہ اپنا ہی بویا ہوا کاٹتا ہے
 مقام اپنا کھویا ہوا ڈھونڈتا ہے
 مگر اُس کو رستہ نہیں مل رہا ہے
 کتاب ہدیٰ سے بھی عرفاں نہ پایا
 نہ سوچا نہ سمجھا، ہے رٹا لگایا

میں کوشاں ہوں سب قرض بھرنے کی خاطر
 معیشت کے رن میں ابھرنے کی خاطر
 کھڑی قوم پاؤں پہ کرنے کی خاطر
 تعلم سے دامان بھرنے کی خاطر
 بہت کچھ کیا ہے، بہت کر رہا ہوں
 مجھے مت سمجھنا، کہ غافل پڑا ہوں
 جو پیچھے رہیں اُن کی ہمت بڑھاؤ
 جہاں تک ہو ممکن پکڑ کر چلاؤ
 غریبوں کے دل میں نہ نفرت جگاؤ
 کہ جینا بھی اُن کا نہ مشکل بناؤ
 انہیں آگے محنت سے بڑھنا سکھا دو
 اسی گر میں سب کچھ چھپا ہے، بتا دو
 جنہوں نے ہواؤں میں اڑنا نہ سیکھا
 ڈسپلن کے سانچے میں ڈھلنا نہ سیکھا
 مشقت کی آتش میں جلنا نہ سیکھا
 انہوں نے زمانے میں پھلنا نہ سیکھا
 جو ہمت سے اپنی نہیں کام لیتا
 مقدر بھی اُس کا نہیں ساتھ دیتا

ہے مخلوق ساری خدا نے بنائی
 لگے اُس کو پیاری سبھی کی بھلائی
 سبھی کی بقا جس کے دل میں سمائی
 اُسی قوم کے ہاتھ آئے بڑائی
 خدا بھی حمایت اُسی کی کرے گا
 جو اوروں کے دامن خوشی سے بھرے گا
 اگر یہ رویہ رہے گا تمہارا
 سیاست سے دانش کرے گی کنار
 ہے ویسے ہی مسلم کا مشکل گزار
 ترا آشیانہ اُسے دے سہارا
 خدا تیرے جذبوں میں دانش جگا دے
 کہ تو اس گلستاں کو جنت بنا دے
 یہ دنیا کی رونق ہے پل بھر کا میلہ
 اکیلا بشر آکے جائے اکیلا
 سبھی کو ملا اپنا اپنا جھمیلا
 نہیں چھپ سکے گا کوئی کیسے کھیلا
 یہاں چھوڑ جائے جو یادیں سہانی
 دو عالم کی پائے وہی کامرانی

عرضِ شاعر

کہا، نیک نیت سے جو کچھ کہا ہے
 مجھے بخش دے، گر کوئی دل دکھائے
 دکھانا اگر آئینہ اک خطا ہے
 تو دے دیجئے جو مناسب مزا ہے
 ازل سے فقیروں کا مسلک یہی ہے
 جو سچ بات سمجھی، وہ منہ پر کہی ہے
 یہ سچ جھوٹ کا بھی عجب سلسلہ ہے
 ابد تک چلے گا، ازل سے چلا ہے
 نہ کوئی ہرے گا، نہ کوئی ہرا ہے
 مگر دوستوں سے مری التجا ہے
 کرو تم وہی جس میں سب کا بھلا ہو
 دعا ہے کہ گلشن کا حامی خدا ہو
 ہے منظوم دھرتی کے سینے کی ہائے
 اسے جو بھی چاہے وہ چھاپے چھپائے
 پڑھے آپ اور دوسروں کو پڑھائے
 کوئی بات شاید کسی کو جگائے
 امانت ہیں دھرتی کی، دریا کے دھارے
 خدا ان سے کھیتوں کی قسمت سنوارے



ندائے دل

یہ چمن یا رب! ہمیشہ ہی بہاروں میں رہے
زندگی نغمہ فشاں اس کے نظاروں میں رہے

ہے ادا، جن کی وفاء، رشکِ حنا جن کی ضیا
روشنی یونہی، سدا ان چاند تاروں میں رہے

یوں سجا، اس کی فضا، جھلکے سدا مہر و وفا
آس کی مشعل فروزاں بے سہاروں میں رہے

کر عطاء، جذبہ نیا، رسمِ ولا ہو یوں ادا
ہر جوان و پیر اس کے جانثاروں میں رہے

ہے دعا، میرے خدا، جھگڑے مٹا، دل یوں ملا
دوستی ہی دوستی سارے دیاروں میں رہے

یہ ترا شاہیں رہے سوزِ محبت کا ائیں
ہے ترا پیارا، اگر انساں کے پیاروں میں رہے



خاکِ وطن کے نام

تیری مٹی کی قسم، تیرے وفادار ہیں ہم
 ہر گھڑی تجھ پہ فدا ہونے کو تیار ہیں ہم
 اے حسین، حسنِ قلمکار کے مظہر گلشن
 جاں لٹا کر بھی لگے، تیرے قرضدار ہیں ہم
 تجھ کو دے پائیں، اگر امن و محبت کی فضا
 پھر تری فصلِ بہاراں کے بھی حقدار ہیں ہم
 رنگ و نکلت کے لٹائے ہیں خزانے تو نے
 اُن کو مسموم بنانے کے گنہگار ہیں ہم
 یہی منزل ہے بنالی کہ مدینہ دیکھیں
 دل کی بستی کے نہیں طالبِ انوار ہیں ہم
 سب کی منزل تو ہے، تزئینِ گلستاں ہی مگر
 فرقہ بندی کے بگولوں میں گرفتار ہیں ہم
 آ، مرے شاہِ امم، پھر سے مسیحائی کر
 جامِ وحدت کو ترستے ہوئے بیمار ہیں ہم
 اپنی رحمت سے لٹا، فصلِ بہاراں یا رب
 گرچہ حقدار نہیں، پھر بھی طلبگار ہیں ہم



تجھ سے نیچے بھی بہت لوگ ہیں، اوپر ہی نہ دیکھ
اور تڑپائے گا موسم کی شکایت نہ کرنا
اپنے اطراف کی خوشیوں ہی سے دامن بھر لے
نہ بدل پاؤ، تو دل اُس کے مطابق کر لے

ماں باپ کے سائے کو جو ٹھوکر سے اڑا دے
صد شکر طفیلی رہے ماں باپ کا دائم
پھر سایہ راحت میں مسافر نہیں آتا
اس قول کی زد میں کوئی شاعر نہیں آتا

سناوت ہے یہ بھی جہاں پائے بھوکا
کہیں اُس سے بڑھ کر ہے وہ نیک انسان
کڑی بھوک میں کچھ کھلا دے جو اُس کو
کمانا، پکانا سکھا دے جو اُس کو
یہ کیسی بھلائی ہے تیری سناوت
کہ تیرا طفیلی بنا دے جو اُس کو

خدا کا نام کوئی لے، نہ لے وہ پھر بھی اکبر ہے
حقوق خالق اکبر، بھلا کر جی لیں رحمت سے
یہی آیات قرآنی ہمیں ہیں جا بجا کہتیں
حقوق آدمیت بھول کر تو میں نہیں رہتیں

بند آنکھوں سے سڑک پار اگر کر جائیں
جرم کے بعد جو مہلت میں بھی تائب نہ ہوئے
کیا مناسب ہے کہ انداز یہی دہرائیں
جن سے بڑھ کے کہیں پھر وہ سزا بھی پائیں

مدتوں بعد وہ ملا تو لگا
وقت کی تند و تیز آندھی سے
دل پہ ہو جائے نقش جو چہرا
دب تو سکتا ہے مٹ نہیں سکتا

پیاں دیکھ تصور میں اُس مسافر کی
ہزار میل مسافت کے بعد منزل پر
جو منزلوں کے تعین پہ سوچتا کم ہے
خبر ہوق اس کو، کہ امرت نہیں وہاں سم ہے

وہ شخص جو ذیشان ہوا علم و ہنر سے
بنی کے لیے زیور تعلیم سے بڑھ کر
اس شخص سے بڑھ کر کوئی ذیشان نہیں ہے
اس دور میں باہل کا کوئی دان نہیں ہے

وقت جو زخم لگاتا ہے وہ سل سکتا ہے
جس کو پانے کی تمنا ہو وہ مل سکتا ہے

شرط ہے جوشِ نمو، خونِ جگر میں تیرے پھول پت جھڑکی ہواؤں میں بھی کھل سکتا ہے

یہاں جو کرسیوں پر بیٹھ جائیں مفاظر جو بھی ہوں، اُن کو لہجائیں مگر جب کرسیاں، اُن کو گرائیں لیوں پر روز و شب ہو کائیں کائیں

وقت کا کیا ہے یہ تو سرکئی ریل ہوتا ہے کس کو خبر کیا کس کا مستقبل ہوتا ہے جو انسانوں کی صف میں شامل ہوتا ہے احسن خلقت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے رنگت، مذہب، نسل، علاقہ جو کوئی بھی ہو ہر انسان کے سپنے میں اک دل ہوتا ہے آندھیوں میں جہاں، مغرور شجر گر جائیں سوچنا یہ ہے کہ، محفوظ رہے تپتی کیوں کس کو ظالم کہے شاہیں، کے مظلوم کہے باز بلبل سے خفا ہے کہ وہ بچ نکلی کیوں

فلہیں دیکھ ڈرامے دیکھ دھوتی، کوٹ، عمامے دیکھ سب کی حقیقت جاں چکے تو پھر وحدت کے جامے دیکھ ساری دنیا مل کر زور لگانے سے قاصر ہے گزرا لہجہ لوٹانے سے وقت کی قیمت جو قطرہ پہچان گیا نازاں ہو گا، وہ موتی بن جانے سے

جیواور جینے دو

تخیل کے ایوان کی محفلِ سجا کر مقابلِ مجاہد کے حاکم بٹھا کر کہا جو بھی رکھا ہے دل میں چھپا کر کرو بوجھ ہلکا وہ سب کچھ سنا کر

تخیل کے ایوان کی محفلِ سجا کر مقابلِ مجاہد کے حاکم بٹھا کر کہا جو بھی رکھا ہے دل میں چھپا کر کرو بوجھ ہلکا وہ سب کچھ سنا کر کسی پر نہ اب ہاتھ کوئی اٹھائے سنے دوسرے کی اور اپنی سنائے

برستے ہیں آنکھوں سے جراثیم کے شعلے مجاہد نے زخمِ جگر اپنے کھولے ترے دل سے جوشِ مسلمان نہ بولے کرے روحِ مسلم فنا ہونے ہو لے تجھے زیبِ دیتی نہیں بادشاہی

ہو اسلام کے تمزیہ کیسے سپاہی
مدارش کے بچے جو ٹھہرے بے گھر کرے گا کبھی باز گلشن انہی پر
یہ جذبات اٹھیں گے تحریک بن کر بنا دیں گے دھڑکی کے سینے کا پتھر
ملے دست کمزور زنجیر ٹھہریں
دبے لوگ مختار تقدیر ٹھہریں

بڑے سب سے جہنس پہ کر دی چڑھائی ستون صحافت پہ ٹھوکر لگائی
ہیں غائب ہوئے کتنی بہنوں کے بھائی کبھی جن کی کوئی خبر تک نہ آئی
روا قوم کی بیٹیوں کی اڑا کر
گھری فاحشائیں نکالیں بچا کر
یہاں تیرے سائے میں کس کو اماں ہے ترا پاسپانی کا دعویٰ کہاں ہے
عوامی حمایت کا تجھ کو گماں ہے ترے خام دعوؤں پہ ہنستا جہاں ہے
وراثت ہے فاروق و حیدر کی چھینی

مگر اُن سے سیکھی نہ باریک بینی
کبھی تجھ کو ہندو بھی گنتے ہیں پیارے محبت سے چاہنے بجھا دے شرارے
بڑھے سوئے منجدھار ڈھونڈے کنارے وہیں کے وہیں ہیں، مسائل تو سارے
یہاں پر شرافت کہاں کچھ دلائے
ہمیشہ ہی کمزور ذلت اٹھائے

یہود و نصاریٰ سے یاری ہے تیری تو غیروں سے مل کر کو لے ہیرا پھیری
تجھے راس آئی نہ میری دلیری ہواؤں سے ہے تیز پرواز میری
مجاہد مرے جان پر سے کھیتے ہیں
خوشی سے وہ رنج و الم جھیلے ہیں

نہ دنیا نہ دولت سے کچھ کام اُن کو ہے جنت کا کافی حسین نام اُن کو
یہی ہے تلاش اب صبح و شام اُن کو مرا مل گیا ہے یہ پیغام اُن کو
زمانے سے سب بے حیائی منا دیں
جہاں ہے برائی وہیں پر دبا دیں
کبھی ہم مجاہد تھے تیری نظر میں چمکتے ستارے تھے نور سحر میں

ادھر روس پلٹا، گیا اپنے گھر میں ادھر آئی تیزی ہمارے نہر میں
 ارادہ تھا افغان مثالی بنا کر
 دکھا دیں گے دور خلافت جگا کر
 یہود و نصاریٰ جو دشمن ہیں میرے پروں میں چھپائیں انہیں یار تیرے
 کہے جن کو ساری خدائی لٹیرے بنا دیں انہیں وہ ہمارے وڈیرے
 رہے یاد تجھ کو، تو ان کو بتانا
 وہ رسوا ہوں جن کی ہو فطرت ستانا
 یہی خواہ نہ یورپ، نہ امریکا تیرے تجھے دیں گے چین و عرب ہی سویرے
 مگر تو لگتا ہے یورپ کے پھیرے سمجھ لے وہ ہیں یار تیرے نہ میرے
 یہی سچ ہے جن کی جبلت بری ہو
 بھلی ان کی یاری نہ نفرت بھلی ہو
 ادھر آ کے افغان کا گھر جلیا ادھر جا کے بغداد دوزخ بنایا
 جو چاہے مسلمان کر کر دے صنایا اُسے اپنے کاندھوں پہ تو نے بٹھایا
 رہے یاد جتنا دباؤ گے ہم کو
 تو پہلے سے مضبوط پاؤ گے ہم کو
 مجھے تم جو بخشو گے بے آب صحرا تو دوں گا جوبابا میں زم زم کا تحفہ
 جہاں پر بہاؤ گے تم خون میرا میں کر دوں تاریکیوں میں سویرا
 یہ شیعہ ہے اہل ذبیح کر پرانا
 کہ خود لٹ کے عالم پہ تحفے لٹانا
 عراق اور افغان پہ بجلی گرا دی مظالم سے دھرتی ہے دوزخ بنا دی
 وہاں میں نے شعلوں کو ہے یوں ہوا دی کہ جل کر نہیں گے ترے اتحادی
 بھروسے پہ غیروں کے تو گرتے گا
 ذرا سوچ لے پھر ترا کیا بنے گا
 تجھے کس طرح بخش دے گا زمانہ مدارس کو تو نے بنایا نشانہ
 ترے دل کو بھاتا ہے گانا بجاتا پتنگیں اڑاتا یا کرکٹ کھلاتا
 گلیوں میں رش ہو مساجد ہوں خالی

لگے کی تجھے پھر ہی دنیا مثالی
 جو مغرب زدہ لوگ گانے سنائیں بھلا روح مشرق میں کیسے سائیں
 جو سرتال روحوں میں مستی جگائیں وہ سائے میں تیرے پنپے نہ پائیں
 تری ماشناسی ہی کچھ کام آئی
 چلو اس بہانے دہی اک برائی
 ہے اندھیرا تیری یہ فرما زوائی جدھر دیکھیے ناچتی ہے بُرائی
 ہے آساں بنا دی رہ بے حیائی وبا کیلوں کی ہے ایسے چلائی
 کہ پنجسالہ بچوں کو بالغ بنا دو
 فرشتوں کے دل میں بھی شیطاں جگا دو
 وفائوں کی یوں قوم کو ہے جزا دی کہ قرضوں کی لت سے ہمیت سلا دی
 انہی سے مدد لی، انہی کو کھلا دی غریبوں پہ قرضوں کی ہے سل گرا دی
 ملے قرض جتنا، وڈیرے اڑائیں
 سہیں اُس کی کمزور ہی کیوں سزائیں
 اطاعت میں اپنی زباں تک بھلا دے زبانوں کے چکر میں بچے پھنسا دے
 جواں عزم طلبہ کے جوہر سلا دے بظاہر انہیں پھولنے کی عدا دے
 کئی طرز تعلیم رائج کیے ہیں
 دلوں پر غریبوں کے خنجر چلے ہیں
 صدارت بھی چالوں سے تو نے ہے پائی تجھے کوئی دے بھی، تو کیا دے دہائی
 نہ خوف خدا ہے، نہ دردِ خدائی مسلمان کو مارے تو بن کر قصائی
 تجھے جو بھی روکے وہ دہشت پسند ہے
 مسلمان کا دشمن ترا بھائی بند ہے
 یہاں خوف تھا نہ کچھری سے آئے کہاں جا کے مظلوم دکھڑا سنائے
 وڈیرا ضوابط کی دھجیاں اڑائے دے کو یہ قانون تیرا دبائے
 تجھے کیا خبر، تو ہے باغِ جنان میں
 سماں کیا ہے گاؤں کے کچے مکاں میں
 تو چاہے کہ تہذیب کا ہو صفایا ترے دل پہ مغرب کا جادو سے چھایا

نہیں ورثہ اپنے بزرگوں کا پایا پرائے تہن نے تجھ کو رجھایا
 جو تہذیب اپنی سمجھتا نہیں ہے
 اٹھا کر کبھی سروہ چلتا نہیں ہے
 کیا تو نے عورت کو مردوں سے بالا حقیقت میں خود اُس کو مشکل میں ڈالا
 اندھیرا دیا، تو نے کہہ کر اجالا روایاتِ مسلم کو دیکھا نہ بھالا
 عیاشی کو تو نے یوں آساں بنایا
 کہ چھوٹے بڑے کو موابکل تھمایا
 تجھے پاس اسلاف کا کچھ نہیں ہے ترا نسب سارے جہاں سے حمیں ہے
 کہیں پر ہے خالد، تو باہر کہیں ہے مگر تیری غیروں کے در پر جبین ہے
 تجھے زیب دیتی نہیں جی حضوری
 تری آس غیروں سے ہو گی نہ پوری
 یہ سودی معیشت مجھے ڈس رہی ہے شکجے میں مسلم کو یہ کس رہی ہے
 خدائی مری قوم پر ہستی رہی ہے جو پا کر وسائل بھی بے بس رہی ہے
 کہاں جا کے روئیں گے دکھ سنائیں
 جو دینے پہ اپنے تلے ہوں سزائیں
 جو اپنے ہیں پہچان اُن کو جہاں میں کبھی راحتیں ہیں خدا کی اماں میں
 ملا اپنی آواز میری اڈاں میں تجھے کیف حاصل ہو تیغ و سناں میں
 زمانے میں مسلم کی دھومیں مچا دے
 جو رستے میں حائل ہو اُس کو اڑا دے
 ہوا ایک گاؤں ہے عالم یہ سارا ہوا اللہ والوں کا مشکل گزارہ
 جو غیروں نے چھوڑا، تو اپنوں نے مارا مگر ان کو کافی ہے اب کا سہارا
 بھینا میں سچا ہوں، جیتوں گا بازی
 کپنگے کی یہ دنیا سدا مجھ کو غازی
 زمانے کی رنگینیاں دل دکھائیں جو انساں کو غافل خدا سے بنائیں
 اگر دل میں ہوں مہِ رخنوں کی ادائیں کہاں نورِ دیں کے اجالے سائیں
 یہ عیاشیاں سب مٹا کر رہوں گا

خدائی کو خالق کے تابع کروں گا
 یہاں چوری ڈاکے خدا کی دھائی ہے رشوت سفارش کی فرمازوائی
 غریبوں کی جیبوں کی کرنا صفائی ترے ساتھیوں نے ہے عادت بنائی
 امیروں کو حوریں شراییں ہیں وافر
 غریبوں کا عزت سے جینا دو بھر
 یہاں میرے خون جگر کی حنا سے مسلمان شناسا ہے رسم وفا سے
 مچلتے ہیں دل، اب بھی میروی صدا سے نہیں خوف تیری سزا و جزا سے
 مجھے تیری دنیا کا کچھ غم نہیں ہے
 خدا کا سہارا ہی کچھ کم نہیں ہے
 جو راہ خدا میں سبھی کچھ لٹائیں انہی کے لیے ہیں خدا کی عطائیں
 وہی لوگ محشر میں فردوس پائیں جو قرآن و سنت پہ خود کو منائیں
 رہ مصطفیٰ میں جہاں کی بقا ہے
 اگر ہو نہ ایسا، تو سب کچھ فنا ہے
 برائی کو طاقت سے رکھ دوں متا کر میں چھوڑوں گا سب کو مسلمان بنا کر
 دکھاؤں گا دور خلافت میں لا کر زمانے کو رکھ دوں گا ورنہ جلا کر
 دیا رب کا کھائیں، نہ سر کر جھکائیں
 بجا ایسے لوگوں پہ ہیں سب سزائیں
 مسلمان کے کوئی مقابل نہ آئے اگر اس کو اپنوں کا خنجر نہ کھائے
 زمانے سے باطل کی رسمیں منائے مگر اتفاق اس کے دل کو نہ بھائے
 مسلمان نہ جب تک بیک دل چلیں گے
 ذلالت کے غاروں میں یونہی رہیں گے
 مرے ساتھ مل جا ارے بھولے بھالے تو دوزخ کی آتش سے خود کو بچا لے
 اگر تو مرے ساتھ کاندھا ملا لے تو باطل کو پڑ جائیں گے جاں کے لالے
 پڑی اپنی آنکھوں سے پٹی بنا دے
 مرے ساتھ مل کر یہ کافر منا دے
 جواب حاکم:-

کبھی بات سن لی، تو حاکم یوں بولا کہے مجھ کو سادہ مگر خود ہے بھولا
زمانے کی میزوں میں خود کو نہ تو لا ترے دل کا عقدہ کسی نے نہ کھولا
ذرا کھول آنکھیں ذرا غور کر لے

مدینے کے بارش ہنر سے شمرے
کئی سال پہلے نبوت تھی پائی کہاں بدر سے پہلے تلوار اٹھائی
ہمیشہ خدا کے لیے کی لڑائی جہاں جیت پائی، تو رحمت لٹائی
کبھی بے گناہوں کو جھڑکا نہ مارا
ہمیشہ دیا دمیوں کو سہارا

یہ ماں کہ مسلم جہاں میں حزیں ہے شاد ہو گا یہ مجھ کو یقین ہے
مسلمان کی تہذیب زیب زمیں ہے جو چھپ کر کرے وار مسلم نہیں ہے
عذابی، فساد نہیں ہے مسلمان

یہی صوتِ خلقت یہی روحِ قرآن
بہادر ہو کمتر تو سچ مان جائے جہاں تک ہو جلدی لڑائی منائے
سنجھل کر وہ خود کو منظم بنائے نئی شان سے پھر وہ میدان سجائے
یہی اہل دانش کا شیوہ رہا ہے
مگر تیرا جینا عذابِ خدا ہے

رہے کفر و باطل بھی دنیا میں باقی یہی ہے ازل سے مشیتِ خدا کی
کسی سے شکایت اگر ہو ذرا سی لگا دے تو فتویٰ ہے شیطان کا ساتھی
مخالف کی باتوں پہ جو ہاتھ اٹھائے
حقیقت میں ہار اپنی خود مان جائے

جو انسان ستائے گا خلقِ خدا کو بنا دے سموی وہ بادِ صبا کو
کر لے کیا خدا اُس کی حمد و ثنا کو یقیناً وہ رسوا ہو روزِ جزا کو
یقین ہے مرا اُس کو جنت ملے گی
جسے دل سے مخلوق اچھا کہے گی

ابھی تو قرونِ حجر میں پھنسا ہے بشر کا تقاضا مگر اب خدا ہے
مسلمان کی مضر اسی میں بقا ہے کہ سچے زمانہ کدھر جا رہا ہے

خدارا کرو رحمِ نوعِ بشر پر
بھروسا کرو میری فکر و نظر پر

نہیں اٹھ کے جھولے سے کرسی پہ آیا اطاعت، ریاضت میں خود کو کھپایا
ٹریننگ نے، جنگوں میں جینا سکھایا جگر کا لہو دے کے گلشن بچایا
اسی کے لیے ہے مرا مرا جینا
لگے پار اہل وطن کا سفینہ

افاں میں نے کبھے میں جا کر سنائی فضاؤں میں روحِ بلائی جگائی
ہوئی کملی والے کے در تک رسائی قسم واں پہ امت جگانے کی کھائی
یہی ہے جہادِ اب، کہ امت جگا دیں
اٹھا کر اسے، رہک عالم بنا دیں

زمانے کے انداز بدلے ہوئے ہیں مگر ہم چٹانوں میں الجھے ہوئے ہیں
خاؤں کے غاروں میں کھوئے ہوئے ہیں بلندی کی پرواز بھولے ہوئے ہیں
کسی سے نہیں کم یہ سناہیں ہمارے
مگر ان کو الجھا دیں تیرے اشارے

اسی کو ملی ہے جہاں میں بڑائی ہوئی جس سے نوعِ بشر کی بھلائی
یہی ہے عبادت یہی ہے کمائی یہی ہے زمانے کی مشکل کشائی
کہ انساں کو پاؤں پہ چلنا سکھا دو
زمانے کے دھارے میں آگے بڑھا دو

سمجھ میں تری کیوں یہ آتا نہیں ہے فسادِ خدا کو بھی بھاتا نہیں ہے
اگر کوئی دیں کو مناتا نہیں ہے عبادت پہ قدغن لگاتا نہیں ہے
وہاں لڑنا مرا، عبادت نہیں ہے
سمجھ میں تری کوئی خامی کہیں ہے

نہیں مردِ میداں جو دشمن منائے جو دل جیت جائے، وہی تاجِ پائے
چھافت، معیشت میں جو سر اٹھائے وہی رنگ اپنا دلوں پر بھمائے
اگر ساتھ دوراں کے چلتی نہیں ہے
کوئی قوم دنیا میں پھلتی نہیں ہے

کہاں تو نے انہماں مثالی بنایا؟ وہاں کی مثالوں نے عالم رالیا
وہاں جبر کا ایسا سکھ چالیا کرے علم و تہذیب کا جو صنایا

ہزاروں برس پیچھے انساں جائے

تو پھر وہ کہیں تیرے دل میں سائے

جو وحشت سے انساں کو انساں بنائیں وہ انساں کی فطرت نہ سمجھیں نہ بنائیں
کہیں ہو نہ ڈاڑھی ت دینا سزائیں کہیں جبر کر کے نمازیں پڑھائیں

جو انساں کے ڈر سے خدا کو بھٹکے گا

ذرا سوچ وہ سر، خدا کیا کرے گا

فرائض کی پرستش ہے منصب خدا کا نہیں زیب دیتا یہ انساں کو عہدہ
بھلا جانچنے کا یہی ہے تقاضا کہ بندوں کے حق میں وہ بندہ ہے کیسا

جو کرتا ہے محشر میں بھرنے دے اس کو

خدا کا جو ہے کام کرنے دے اس کو

کرو یاد مرغان گلشن کی آہیں جو پاتے ہی موقع کہیں بھاگ جائیں
جہاز اپنے صحن چمن سے اڑائیں تو غیروں کے گھر جا کے پائیں پناہیں

نہیں تھے وہ دشمن زمین کے، نہ دیں کے

تمہاری کھٹن سے وہ لیکن فریں تھے

دکھا اپنے حسن عمل سے وہ راہیں تجھے دیکھ تیرے خدا کو بھی چاہیں
چلا ایسی خوش کن سہانی ہوا کہیں کہ گلشن کے برگ و ثمر جھوم جائیں

کریں خوب دل سے یوں تعمیر اس کی

کہ روشن رہے صبح تقدیر اس کو

کہے تو، غریب آج مجھ خفا ہیں مگر اہل دانش مرے ہموا ہیں
ازل سے ہی انساں کی سوچیں جدا ہیں خدا سے بھی اکثر تو کرتے گلہ ہیں

فرشتہ بھی لا کر مری جا، بٹھا دو

کئی لوگ چیخیں گے اس کو ہٹا دو

یہاں کچھ کی عادت ہے رنجور رہنا سیکھی دوسروں کو، دکھی خود کر کہنا
پڑے گا عذاب ان کو اس غم کا سہنا نہیں جن کی قسمت قناعت کا گہنا

کبھی ڈوبتی ماؤ جس نے نہ دیکھی
اُسے چلتی کشتی کی کیا قدر ہو گی

کئی لوگ محنت سے قسمت بنائیں کریں کام کتیاں سے محلوں میں آئیں
کئی بیٹھے بیٹھے خدا کو بلائیں خدا اُن کے کس کام کی دے جزائیں
چلے گا جو منزل پہ جائے گا اک دن
مرادوں کی راحت بھی پائے گا اک دن

چراغِ الہ دیں نہیں پاس میرے کہ پل میں مٹا دوں سبھی کے اندھیرے
کرے جو مشقت وہ دن اپنے پھیر لے یقیناً مقدر ہوں اُس کا سویرے
جہاں تک ہے ممکن بھلا کر رہا ہوں
مگر تیرے شر سے بہت ڈر رہا ہوں

کہیں بھولے بھالوں کو چکر میں لا کر تصور میں جنت کے جلوے دکھا کر
تماشا کرے اُن کو مجھ سے لڑا کر مری پاک دھرتی کو رکھ دے جلا کر
حقیقت میں امن و محبت کے دیں سے
دلائل تو لڑنے کے ڈھونڈے کہیں سے

جدھر دیکھیے خونِ مسلم ہے ارزاں یہی زد میں آئے جہاں بھی ہو طوفان
نہ چل پھول لائے کبھی نخلِ ارماں پڑھا جا رہا ہے، صبح و شام قرآن
مگر اِس کا دل پر اثر کچھ نہیں ہے
یہی ہے سب آج مسلم خریں ہے

زمانے کی کروٹ سمجھت نہیں ہے تنہی اِس کو اعزاز ملتا نہیں ہے
نئے کارواں میں جو چلتا نہیں ہے کبھی ٹھوکروں سے سنبھلتا نہیں ہے
اگر اے مسلمان، تو ساکت نہیں ہے
تو لاریب تو ہی جہاں کا امین ہے

مدارس مساجد جو ہزار بن کر سمجھنے لگیں خود کو دنیا کے رہبر
کریں اہل قرآن کا جینا بھی دو بھر انہیں چھوڑ دینا ہے غلطی سراسر
انہیں رتمِ امن و محبت سکھانا
زمانے کے دھارے میں لازم ہے لانا

زمانے کے ہاتھ کی ہر سوندا ہے وہی شان پاتا ہے، جو جاگتا ہے
ہواؤں کی زد میں مرا تافلہ ہے یہی التجا ہے خدا سے دعا ہے
مر درد امت کے دل میں جگا دے

سجا کر اسے، رہک عالم بنا دے

ذرا غور کر لیں تو سب پر عیاں ہیں کہاں خوبیاں ہیں کہاں خامیاں ہیں
ہے کیا بات اُن میں جو رشکِ زماں ہیں زمانے کے کنبے میں مسلم کہاں ہیں
وہ علم و ہنر میں معیشت میں آگے
مگر ہم حقیقت سے پھرتے ہیں بھاگے

اُٹھیں پہلے خود کو یوں مضبوط کر لیں زمانے کی خوشیوں سے دامان بھر لیں
گھرے گھپ اندھیروں میں ہم سے سحر لیں لڑیں بعد میں پہلے تیغ و سپر لیں
اگر پھول اپنے چمن کے فریں ہوں

تو کیا تیرے دستورِ زیبِ زمیں ہوں

ترے نعلِ گھر بھر کی پونجی لٹا کر ترستے ہیں، بس جاکیں یورپ میں جا کر
یہاں خوش نہیں تھے جو تنکا اٹھا کر وہاں جا کے خوش ہوں وہ جھاڑو لگا کر
یہ خطہ جو سارے جہاں سے حسیں ہے

ذرا سوچ، راحت یہاں کیوں نہیں ہے

یہاں اب نہیں صرف طاقت کی ریتیں کریں جو مسخر دلوں کو وہ جیتیں
اگر اپنے دن رات فاقوں میں بیتیں سکوں دیں کیا مصلے مہیتیں
میاں، پہلے گھر اپنا خوشحال کر لے

زمانے کی اصلاح کی پھر خبر لے

جو دعویٰ کرے پل میں سب کچھ سجائے وہ احمق ہے یا پھر جہاں کو بنائے
وہی جانتا ہے جو گاڑی چلائے حادثہ کی لہروں سے کیسے بچائے
مسافر جو بیٹھے ہوئے نعل چاکیں

نہیں جانتے کتنی مشکل ہیں راہیں

خدارا مری بات دل میں بٹھا لے سدا نفرتیں اور محبت جگائے
تو اپنے لیے ہوش کی کچھ دوا لے زمانے کے دھارے میں خود کو ملا لے

اگر تو علاج اپنا خود کر نہ پایا
 تو دنیا کا ہر سکھ ہے تجھ سے پرلایا
 جو رشوت، سفارش، گرانی بڑھائیں انہیں دے رہا ہوں پکار کر سزائیں
 سزائیں ضمیر بشر کیا جگائیں اگر لوگ مجرم کو ہیرو بنائیں
 جسے دل سے سنا وہ عزت نہ دے گا
 وہ قانون کیسے حفاظت کرے گا
 مسائل ہر انسان کے پیچھے پڑے ہیں کسی کے ہیں چھوٹے، کسی کے بڑے ہیں
 جو مشکل سے لرزاں ہیں سب کھڑے ہیں سبھی امتحان اُن کو لگتے کڑے ہیں
 وطیرہ یہی ہے جواں ہمتوں کا
 کہ حل ڈھونڈ لیتے ہیں سب مشکلوں کا
 ثنائت کا اپنی گلا تو دبائے تجھے اچھا فنکار ہرگز نہ بھائے
 ترے دل میں کھلے، جو دل مسکرائے چلے بس تو مردوں سے پردہ کرائے
 جو غیروں کی فلمیں ڈرامے نکلیں گے
 کہاں وہ تیری نیک باتیں سنیں گے
 جواں خون مانگے مچلنے کا سماں انہیں علم و فن کے میسر ہوں میداں
 دبانے سے حسرت میں ڈھل جائیں ارماں گھٹاؤں کے نم سے مقید ہوں طوفاں
 جواں دل جو الفت کی لو سے کھلیں گے
 بلندی زمانے سے خود چھین لیں گے
 نہیں کھاتے جوہر کھٹن کی فضا میں نہ شوقی رہنے جب گلوں کی ادا میں
 رہے رنگ و خوشبو، نہ مرگبوتا میں کہاں کیف و مستی ہو رَم وفا میں
 جو انسان کی فطرت سے انماز بدتیں
 وہ ہر دم حقیقی مسرت کو ترسیں
 کہے تو تو کہ عورت کو گھر میں بٹھا دوں میں خود آدھا حصہ اپناج بنا دوں
 نہیں جرم جس کا، اُسے کیوں سزا دوں زمانے کی آ، تجھ کو صورت دکھا دوں
 جہاں مرد و عورت اکٹھے بڑھے ہیں
 وہی لوگ رفعت کے زینے چڑھے ہیں

نہیں بوجھ عورت عمل سے بتا دو اسے اپنے پاؤں پہ چلنا سکھا دو
رہے غم سے آزاد، ایسی فضا دو دلِ مرد سے بھاری پتھر ہٹا دو

مذہب بھلائی کی خاطر ہیں آئے

مگر تیرے جیسوں نے الجھن بنائے

نہیں درد تیرے جگر میں کی کا فقط ضد پہ اڑا ہی تو نے ہے سیکھا
گر تجھ کو امت کے غم کا ہے دعویٰ کبھی بیٹھ کر سوچ لینا ذرا سا

کے تو نے نقصان پہنچا دیا ہے

لتایا ہے کیا کچھ، تو کیا پا لیا ہے

استاد کی دل سے عزت کرے گا وہی علم و حکمت سے دامن بھرے گا
دعائیں جو ماں باپ کے دل سے لے گا یقیناً مقام اُس کا اونچا ملے گا

دلوں میں جو حاکم کی عزت جگائے

وہی قوم دنیا میں پھل پھول پائے

سمندر سے موتی وہی ڈھونڈ لائے جو پہلے غواصی کی تعلیم پائے
جو جذبوں کی رو میں سدا بہتا جائے بلا سوچے سمجھے بڑھے جاں گنوائے

خدا بھی کرے گا اسی کی بھلائی

جسے آگئی، اپنی مشکل کشائی

کہے تو کہ ہندو سے لڑتے ہی جائیں وسائل سبھی اسلحے پر لٹائیں
اگر ہاتھ وہ دوستی کا برھائیں تو ہم پر بھی لازم ہے یاری نبھائیں

جو لڑنا ہی ٹھہرا، تو آگے لڑوں گا

نہ پیچھے ہٹا ہوں نہ پیچھے ہٹوں گا

پڑوسی ہو کافر یا مومن تمہارا رہو دوستی سے کہے دیں ہمارا
نہیں گے جو اک دوسرے کا سہارا تو جیون میں آساں ہو سب کا گزارا

کدا روشنی دے تمہاری نظر کو

جیو، اور جینے دو نوعِ بشر کو

ہدوں کو منانا نہیں شانِ مسلم عمل سے رجھانا ہے پہچانِ مسلم
گھروندے جانا نہیں آں مسلم زمیں کو سجانا ہے ایمانِ مسلم

ذرا سوچ، تو کیا تھا کیا ہو گیا ہے
کہاں تیرا فکر و عمل کھو گیا ہے

یہاں صوفیا نے خزانے لٹائے جنہیں تو نے چھوڑا ہیں غیروں نے پائے
حقوق العباد، آج ہم نے بھلائے تنہی ہم سے ملاں ہیں رحمت کے سائے
عبادات ہماری خدا کیا کرے گا
اگر ہم سے سنار ملاں رہے گا

کہا تو نے امریکیوں کو برا ہے کیا اُن کا دعویٰ سنا ان سنا ہے
اگر اُن کا سب کچھ خطا ہی خطا ہے تو پھر کیوں مدد اُن کی کرتا خدا ہے
بہی بچ ہے وہ آج دنیا پہ چھالے
مگر تیرے دیں سے ہیں جلوے چرائے

جسے تو نے چھوڑا انہوں نے سنبھالا وہ احقر ہوئے آج دنیا میں بالہ
مزاہوں کو علم و ہنر میں جو ڈھالا تو فطرت نے بھی اُن کو بخشا اجالا
کسی کو یونہی شان ملتی نہیں ہے
وہ اپناؤ، جو بات اُس میں حسین ہے

سمجھ میں تری کیوں یہ آتا نہیں ہے نہیں دیں سے انسان، انساں سے دیں ہے
جہاں نوع انسان کا جیون حسین ہے خدا کی عنایت برستی وہیں ہے
زمین کو جو جنت بنانے سے روکے
تو سمجھو شعور اس کا دیتا ہے دھوکے

تو سزا دے گا میری وفا پر میں قربان جاؤں تیری اس ادا پر
نہیں کوئی انسان قادر قضا پر بھروسا ہے بس مجھ کو اپنے خدا پر
مجھے اُس کے بندوں کی خوشیاں ہیں پیاری
جنہیں آج چننا تو بن کر پیاری

کہا تو نے مجھ کو نہیں قوم پیاری خدا جانتا ہے مری عمر ساری
اسی کے لیے لڑتے لڑتے گزاری دل و جاں کی راحت اسی پر ہے واری
جو ملاں ہیں مجھ سے سمجھتے نہیں ہیں
مری جا پہ خود کو وہ رکھتے نہیں ہیں

تمنا سے کوئی مبرا نہیں ہے کھلونوں سے دل ہے کہ بھرتا نہیں ہے
 جو مل جائے وہ یاد رہتا نہیں ہے یہی سوچتا ہے کہ اب کیا نہیں ہے
 کرے شکر اُس پر، جسے جو ملا ہے
 اسی میں دلوں کے سکوں کی بقا ہے

کہا، تو نے گاما بھانا بُرا ہے یہ پیروں کو ولیوں کو بھانا رہا ہے
 دباتا نہیں میں، جو دل کی صدا ہے کرے دل معطر سریلی نوا ہے
 محبت کے نغمے اگر تو بھی سنتا
 یھینا یہ نفرت کی راہیں نہ چتا

کہے تو کہ کھیلوں کا کلچر منا دوں پکڑ کر مساجد میں سب کو بٹھا دوں
 کھلا کر انہیں حلوے، تو ندیں بڑھا دوں نہیں یوں مناسب، تجھے میں بتا دوں
 عیاں اس گھڑی سب پہ ہے یہ حقیقت
 جھلکتی ہے کھیلوں سے قوموں کی رفعت

وہی لوگ دنیا میں آگے بڑھیں گے جو دنیا و دیں کو ملا کر چلیں گے
 جواں، بوڑھے، بچے جو کھیل کریں گے یھینا وہ خوشیوں سے دامن بھریں گے
 سجائے گی جو قوم کھیلوں کے میداں
 رہیں گے سدا ہسپتال اُس کے سنساں

ہو جیون کا مقصد، اگر دیں کی نصرت اسی رہ میں ہو روز و شب کی ریاضت
 جلے خود مگر دے، دلوں کی حرارت تو ہے کھانا پینا بھی اُس کا عبادت
 اذان مجاہد ہے ملا سے بڑھ کر
 کہے حق! جو باطل کے سینے پہ چڑھ کر

اگر سوئپ دوں میں تجھے حکمرانی ملے ففرقہ بندی کو دولت کا پانی
 رہے گی نہ، امن و اماں کی نشتانی سسکنے لگے گی یہاں زندگانی
 تو فرقوں میں نفرت کو ایسے ہوا دے
 کہ مسلم کو مسلم کا دشمن بنا دے

مرمت نہ ہو، جن سے دیوار گھر کی کریں بات دنیا کے عیب و ہنر کی

یہی تو ہے پہچان کو نظر کی ہو جیسی بھی غلطی حکومت کے سر کی
 میں جتنا سمجھتا ہوں دنیا کے دھارے
 نہیں جانتے تم، نہ ساتھی تمہارے
 جو رسوں رواجوں کے جھوٹی اما کے اسیر آپ ہوں، اپنی قیدیں بنا کے
 جو شادی بیاہوں پہ قرضے اٹھا کے زکواتوں کے طالب ہوں، پتلے خطا کے
 بڑھا کر جو چادر سے، پاؤں پارے
 ہمیشہ مقدر ہوں اُس کا خسارے
 مسلمان جو دنیا میں رسوا ہوا ہے وہ اپنا ہی بویا ہوا کاٹتا ہے
 مقام اپنا کھویا ہوا ڈھونڈتا ہے مگر اُس کو رستہ نہیں مل رہا ہے
 کتاب ہدیٰ سے بھی عرفاں نہ پایا
 نہ سوچا نہ سمجھا، ہے رٹا لگایا
 میں کوشاں ہوں سب قرض بھرنے کی خاطر معیشت کے ساگر میں ترنے کی خاطر
 کھڑی قوم پاؤں پہ کرنے کی خاطر تعلیم سے دامان بھرنے کی خاطر
 بہت کچھ کیا ہے، بہت کر رہا ہوں
 مجھے مت سمجھنا، کہ غافل پڑا ہوں
 جو پیچھے رہیں اُن کی ہمت بڑھاؤ جہاں تک ہو ممکن پکڑ کر چلاؤ
 غریبوں کے دل میں نہ نفرت جگاؤ کہ جینا بھی اُن کا نہ مشکل بناؤ
 انہی آگے منت سے بڑھنا سکھا دو
 اسی گر میں سب کچھ چھپا ہے بتا دو
 جنہوں نے ہواؤں میں اڑا سیکھا ڈسپلن کے سانچے میں ڈھلانا نہ سیکھا
 مشقت کی آتش میں جلنا نہ سیکھا انہوں نے زمانے میں پھلنا نہ سیکھا
 جو ہمت سے اپنی نہیں کام لیتا
 مقدر بھی اُس کا نہیں ساتھ دیتا
 ہے حقوق ساری خدا نے بنائی لگے اُس کو پیاری سبھی کی بھلائی
 سبھی کی بقا جس کے دل میں سمائی اسی قوم کے ہاتھ آئے بڑائی
 خدا بھی حمایت اسی کی کرے گا

جو اوروں کے دامن خوشی سے بھرنے لگا
 اگر یہ رویہ رہے گا تمہارا سیاست سے دانش کرے گی کنار
 ہے ویسے ہی مسلم کا مشکل گزارا ترا آشیانہ اُسے دے سہارا
 خدا تیرے جذبوں میں دانش جگا دے
 کہ تو اس گلستاں کو جنت بنا دے
 یہ دنیا کی رونق ہے پل بھر کا میلہ اکیلا بشر آکے، جائے اکیلا
 سبھی کو ملا، اپنا اپنا جھنڈا نہیں چھپ سکے گا، کوئی کیسے کھیل
 یہاں چھوڑ جائے جو یادیں سہانی
 دو عالم کی پائے وہی کامرانی

عرض شاعر

کہا، نیک نیت سے جو کچھ کہا ہے کرے معاف گر دل کسی کا دکھا ہے
 اگر آنکھیں پر مناسب سزا ہے تو حاضر کھڑا ہوں مرا سر جھکا ہے
 ازل سے فقیروں کا مسلک یہی ہے
 جو سچ بات سمجھی وہ منہ پر کہی ہے
 یہ سچ جھوٹ کا بھی عجیب سلسلہ ہے اب تک چلے گا، ازل سے چلا ہے
 نہ کوئی ہرے گا، نہ کوئی ہرا ہے مگر دوستوں سے مری التجا ہے
 کرو تم وہی جس میں سب کا بھلا ہو
 دنا ہے کہ گلشن کا حامی خدا ہو
 ہیں اشعار، دھرتی کے سینے کی، ہائے کرے جس کا جی ان کو چھاپے چھپائے
 پڑھے آپ، اور دوسروں کو پڑھائے کوئی بات شاید کسی کو جگائے
 امانت ہیں دھرتی کی، دریا کے دھارے
 خدا ان سے کھیتوں کی قسمت سنوارے
 شاہیں بھٹی

0321-4930616

آخری

یہ چمن یا رب ہمیشہ ہی بہاروں میں رہے زندگی نغمہ فشاں اس کے نظاروں میں رہے

ہے ادا، جن کی وفا، رہکِ حنا جن کی ضیا
یوں سجا، اس کی فضا، جھلکے سدا مہر و وفا
پھر جگا، جذبہ نیا، ترمِ ولا ہو یوں ادا
ہے دعا، میرے خدا، جھڑے مٹا، دل یوں ملا
یہ ترا سنا ہیں، ہے سوزِ محبت کا امیں
روشنی یونہی، سدا ان چاند تاروں میں رہے
آسن کی مشکل فروزاں بے سہاروں میں رہے
ہر جوان و پیر اس کے جانثاروں میں رہے
دوستی ہی دوستی سارے دیاروں میں رہے
ہے ترا پیارا، اگر انساں کے پیاروں میں رہے

تیری مٹی کی قسم، تیرے وفادار ہیں ہم
اے حسیں، حسن، قلمکار کے مظہر گلشن
تجھ کو دے پائیں، اگر امن و محبت کی فضا
رنگ و نگہت کے لٹائے ہیں خزانے تو نے
سب کی منزل تو ہے، ترسین گلستاں ہی مگر
آمرے شاہِ امم، پھر سے مسیحا کر
اپنی رحمت سے لٹا، فضل بہاراں یا رب
(1) شاہین بھٹی نے دل اور دل دھرتی کے سنگم پر کھڑے ہو کر شاعری کی ہے (ڈاکٹر جمیل نیازی)

(2) شاہین بھٹی کی شاعری بنیادی انسانی جذبات اور حسن فن کا دلنشین امتزاج ہے۔ (ڈاکٹر شبیہ الحسن)
(3) شاہین بھٹی جدید لہجے کے منفرد شاعر ہیں (وحید الحسن ہاشمی)

(4) شاہین بھٹی عوامی پسند کے ساتھ ساتھ ادبی معیارات کو بھی سامنے رکھتے ہیں (پروفیسر حفیظ تائب)
(5) شاہین بھٹی کے مجموعہ نعت اور روح کی خوشبو میں جا بجا ایسے اشعار موجود ہیں جو کسی بھی نعت نگار کے لئے سامانِ فخر ہو سکتے ہیں (احمد ندیم قاسمی)

(6) ترنم کی میٹھی میٹھی لہریں اُن کے مصرعوں کے اندر مچلتی ہیں اور سیدھی دل میں اترتی جاتی ہیں (ایوب خاور)

(7) ان کے کلام میں صوفیانہ گہرائی، چنی چنی اور برجستگی کے علاوہ غلو ص کی فراوانی پائی جاتی ہے (ڈاکٹر شہناز مڑل)

(8) جو لگو مو جوہ مہد کو اردو شاعری کا دور زوال کہتے ہیں، شاہین بھٹی کو پڑھ کر اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے (کرامت بخاری)

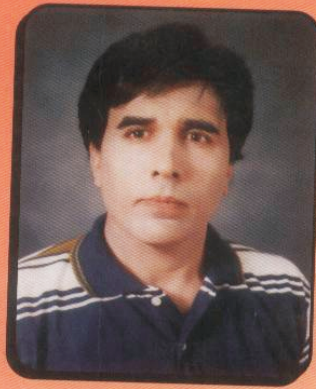
(9) شاہین بھٹی کی شاعری نئے لہجوں اور نئے موسموں کی خبر دیتی ہے۔ (قاضی جاوید)

- (10) میری دلی دعا ہے کہ خدا شاہین بھٹی کے شعر و ادب سے بہت بڑا کام لے (شہزاد احمد)
- (11) شاہین بھٹی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خود کو اچھی شاعری سے وابستہ کر رکھا ہے۔ ستار سید (اسٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان)
- (12) شاہین بھٹی کیونکہ موسیقی سے بھی گہرا شغف رکھتے ہیں اس لیے ان کی شاعری میں موسیقیت کا عنصر انہیں ممتاز کرتا ہے۔ ڈاکٹر حسن فاروقی (شعبہ میوزک ریڈیو پاکستان)

تصویر

شاہین بھٹی کی دیگر تصانیف

- 1- روح کی خوشبو 1996ء اشاعت القرآن پبلیکیشنز لاہور
- 2- انداز شاہین 2001ء شان میموریل پبلیکیشنز لاہور
- 3- پرواز شاہین 2002ء علمی کتاب خانہ لاہور
- 4- پرواز شاہین (اردو تواندوانشا پروازی برائے نئے نغمہ و ہم) امن بک ہاؤس لاہور
- 5- پرواز شاہین ”اردو تواندوانشا پروازی برائے ہشتم“ امن بک ہاؤس لاہور
- 6- پرواز شاہین اردو تواندوانشا پروازی برائے ہفتم امن بک ہاؤس لاہور
- 7- پرواز شاہین اردو تواندوانشا پروازی برائے ششم امن بک ہاؤس لاہور
- 8- ”آگ میں پھول کھلے“ شعری مجموعہ امن بک ہاؤس لاہور
- 9- اخباری کالموں پر مشتمل ”آپس کی بات“ اور پنجابی شعری مجموعہ ”پیا سے بدل“ زیر طبع ہیں۔



شاہین بھٹی کی دیگر تصانیف

- | | |
|--|-----------------------|
| 1996ء اشاعت القرآن پبلیکیشنز لاہور | 1- روح کی خوشبو |
| 2001ء شان میوریل پبلیکیشنز لاہور | 2- انداز شاہین |
| 2002ء علمی کتاب خانہ لاہور | 3- پرواز شاہین |
| (اردو قواعد و انشا پر دازی برائے نهم و ہم) | 4- پرواز شاہین |
| احسن بک ہاؤس لاہور | |
| (”اردو قواعد و انشا پر دازی برائے ہشتم“) | 5- پرواز شاہین |
| احسن بک ہاؤس لاہور | |
| (اردو قواعد و انشا پر دازی برائے ہفتم) | 6- پرواز شاہین |
| احسن بک ہاؤس لاہور | |
| (اردو قواعد و انشا پر دازی برائے ششم) | 7- پرواز شاہین |
| احسن بک ہاؤس لاہور | |
| (شعری مجموعہ) احسن بک ہاؤس لاہور | 8- ”آگ میں پھول کھلے“ |
| (اخباری کالم) زیر طبع | 9- آپس کی بات |
| ” (پنجابی شعری مجموعہ) | پیاسے پل |

احسن بک ہاؤس

22۔ اُردو بازار لاہور۔ 042-7355189